اپریل ۱۹۸۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ملکی و بیرونِ ملکی حالات کا ایک جائزہ
اور بھارتی تیغار کے سدباب کا قرآنی طریقہ
امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطابِ جمعہ

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

PID(1)Sub772/89

SCAN

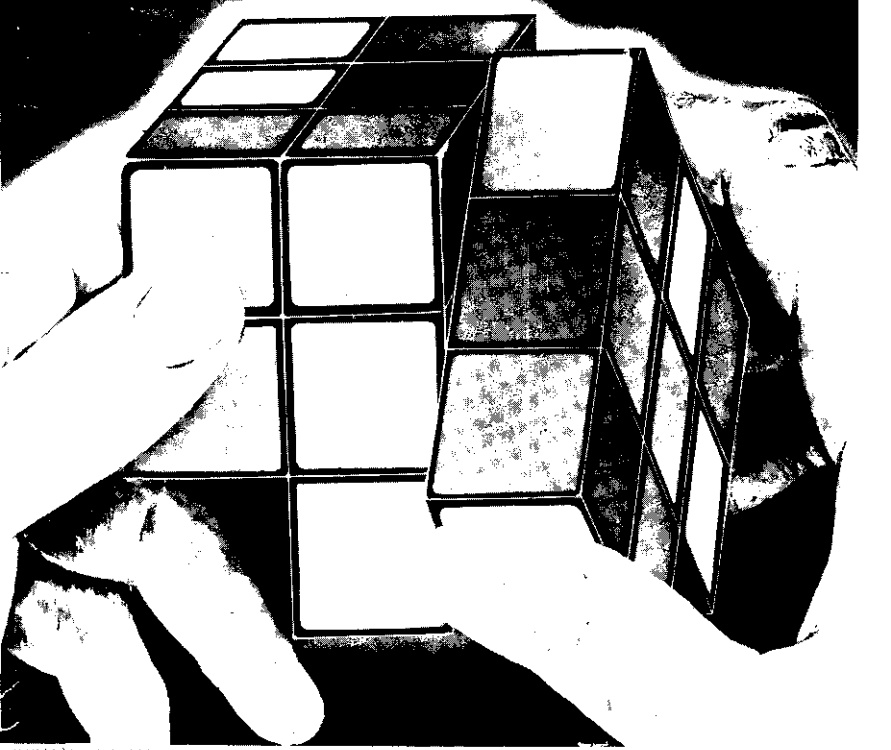

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۸
شمارہ: ۴
شعبان المبارک ۱۴۰۹ھ
اپریل ۱۹۸۹ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
★
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا - ۶ - امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ - ۹ - امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ - ۱۲ - امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ - ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ - لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴
سب آفس: ۱۱ - داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶
پبلشرز: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

- عرضِ احوال ——— ۳
  حافظ عاکف سعید
- تذکرہ وتبصرہ ——— ۷
  ڈاکٹر اسرار احمد
- الہدیٰ (نشست ۵۸) ——— ۱۹
  مسلمانوں کی سیاسی وملی زندگی کے رہنما اصول۔ سورۃ الحجرات کی روشنی میں (۵)
- ملکی وبیرونی ملکی حالات کا جائزہ ——— ۳۱
  اور بھارت کی ثقافتی یلغار کے سدِباب کا قرآنی طریق
  ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطابِ جمعہ
- قِرانُ السّعدین ——— ۶۷
  مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سترھویں سالانہ اجلاس
  اور تنظیم اسلامی کے چودھویں سالانہ اجتماع کی رُوداد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

تنظیم اسلامی کے رفقاء و احباب اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے وابستگان و متوسلین بخوبی آگاہ ہیں کہ مارچ کا مہینہ تنظیم و انجمن کے دعوتی و تنظیمی اجتماعات کے اعتبار سے بہت بھرپور گزرا کہ ہر دو اداروں کے سالانہ اجتماعات بھی اسی ماہ کے دَوران منعقد ہوتے اور اضافی طور پر بعض دعوتی و تحریکی اور تعلیمی و تربیتی پروگرام بھی، جو الحمد للہ کہ نہایت بھرپور اور کامیاب رہے، اسی عرصے میں ترتیب دیئے گئے۔ بالخصوص اِس ماہ کا آخری عشرہ امیر تنظیم اسلامی اور انجمن تنظیم کے ذمّہ دار حضرات کے لیے اتنا مصروف کن اور مشقت آمیز تھا کہ اللہ کی خصوصی تائید و توفیق اگر شاملِ حال نہ ہوتی تو ان اجتماعات کا اس طور سے انعقاد ہرگز ممکن نہ تھا۔ اِس دَوران منعقد ہونے والے پروگراموں کی کچھ تفصیلات آپ کو انہی صفحات میں امیر تنظیم اسلامی کی ایک تحریر میں جو تذکرہ و تبصرہ کے عنوان سے اِس شمارے میں شامل ہے، اور بعض تفاصیل "رپورتاژ" کے زیرِ عنوان مضمون میں مل جائیں گی، تاہم اس حوالے سے ان سطور میں محض یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ 'میثاق' کی اشاعت پر ان مصروفیات کا ایک منفی اثر یہ مترتب ہوا ہے کہ اپریل کا شمارہ خاصی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے جس کے لیے قارئین سے معذرت طلب کرنے کو ہم اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے ہیں۔

امیر تنظیم اسلامی کے دس خطبات پر مشتمل کتاب 'منہج انقلاب نبوی' آج سے پونے دو سال قبل شائع ہوئی تھی۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ یہ کتاب "اسلامی انقلاب: کیا ہے کیوں اور کیسے" نامی مجوزہ کتاب کے قائم مقام کے طور پر شائع ہوئی تھی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ 'استحکامِ پاکستان' نامی کتاب کی تالیف کے بعد امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ارادہ "اسلامی انقلاب: کیا ہے کیوں اور کیسے" کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کرنے کا تھا۔ اپنے اس عزم کا اظہار انہوں نے 'استحکامِ پاکستان' کی آخری سطور میں کر بھی دیا تھا۔ قارئین کے علم میں ہے کہ اسی غرض سے امیر محترم نے

حرمین شریفین کے لیے شدّ رحال بھی فرمایا تھا لیکن انہی دنوں سندھ کے اندرونی حالات کا بگاڑ اپنی بدترین شکل میں کراچی کے خونی فسادات کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ چنانچہ اس صورت حال کا امیر تنظیم اسلامی کے ذہن و قلب پر اتنا شدید اثر تھا کہ اسلامی انقلاب پر کتاب لکھنے کے لیے قلم اٹھایا تو تمہید ہی میں بات مسئلہ سندھ کی جانب مڑ گئی اور یہ موضوع اتنا طوالت اختیار کر گیا کہ "استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" کے نام سے ایک مکمل اور نہایت مفید کتاب تو وجود میں آ گئی لیکن "اسلامی انقلاب" کی تالیف کا معاملہ عارضی طور پر تعطل میں پڑ گیا۔ لیکن پھر جب یہ عارضی تعطل بھی بوجوہ طول پکڑتا نظر آنے لگا اور دوسری جانب "اسلامی انقلاب: کیا؟ کیوں اور کیسے؟" کے لیے رفقاء و احباب کا تقاضا شدت پکڑنے لگا تو فیصلہ کیا گیا کہ "اسلامی انقلاب کا نبوی طریق کار" کے موضوع پر اُن خطابات جمعہ کو یکجا کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے جو ۸۶ء اور ۸۷ء کے دوران سلسلہ وار 'میثاق' میں شائع کیے گئے تھے۔ چنانچہ اُن خطابات کو فوری نظر ثانی اور مناسب ابواب بندی کے بعد 'منہج انقلاب نبویؐ' کے نام سے جون ۸۷ء میں کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ یہ کتاب بہت حد تک "اسلامی انقلاب: کیا، کیوں اور کیسے؟" کی کمی کو پورا کرتی تھی لیکن ایک بحث اس میں تشنہ تھی اور وہ یہ کہ اسلامی انقلاب کے نبوی طریق کار کا اطلاق دورِ حاضر میں اسلامی انقلاب کے طریق پر کس طور سے ہوگا۔ حالات کی تبدیلی سے منہج عمل میں کس قدر تبدیلی واقع ہوگی؟ انقلاب کے کون سے مراحل ہمیں سیرتِ نبویؐ سے اخذ کرنے ہوں گے اور کن مراحل کے معاملے میں اجتہاد سے کام لینا ہوگا؟ تاہم اس تمام تر کمی اور تشنگی کے باوجود اپنی افادیت اور اثر انگیزی کے لحاظ سے یہ کتاب ہماری توقعات سے کہیں بہتر ثابت ہوئی اور عوام الناس کے ساتھ ساتھ اہلِ علم و دانش حضرات کے طبقے میں بھی اسے یکساں قبولِ عام حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ ڈیڑھ سال کے مختصر عرصے میں کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ حال ہی میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن طبع ہوا ہے اور اس میں اس کمی کی تلافی بھی کر دی گئی ہے جو پہلے ایڈیشن میں محسوس کی گئی تھی۔ چنانچہ "دورِ حاضر میں اسلامی انقلاب کے لیے صحیح طریق کار" کے عنوان سے محترم ڈاکٹر صاحب کے ایک خطاب کو ٹیپ سے اُتار کر نئے ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے اور اس طرح اب یہ کتاب امیر تنظیم اسلامی کے گیارہ خطابات پر مشتمل ہے۔ اِس معاملے کا اہم پہلو یہ ہے کہ اگرچہ مذکورہ بالا

خطاب بھی ڈیڑھ سال قبل 'میثاق' میں قسط وار شائع ہو چکا ہے لیکن اب کتاب میں شامل کرنے کے مرحلے پر خود امیر محترم نے اس میں خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اس کی نظرثانی کے لیے وقت نکالا بلکہ اپنے قلم سے اسے ضروری اصلاح و ترمیم کے مرحلے سے بھی گزار دیا ہے، جس کے باعث اس کی افادیت اور اثر پذیری میں نمایاں اضافہ ہو چکا ہے۔ ہمارے وہ رفقاء و احباب جو 'منہج انقلاب نبویؐ' کا پہلا ایڈیشن خرید چکے ہیں، نوٹ فرمالیں کہ اُن کی سہولت کے لیے یہ نظرثانی شدہ اضافی باب جو کتاب کے تازہ ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے، آئندہ ماہ 'میثاق' میں شائع کر دیا جائے گا اور اس طرح کتاب کے پچھلے ایڈیشن میں جو کمی رہ گئی تھی اس کی تلافی 'میثاق' کے آئندہ شمارے سے ہو جائے گی (ان شاء اللہ)

اور آخر میں ہمیں قارئین کو وہ اطلاع بھی دینی ہے جس کے بارے میں ہمیں اندازہ ہے کہ قارئین کے لیے خوش کن نہ ہوگی۔ کاغذ کی روز افزوں گرانی کا معاملہ واقفانِ حال سے پوشیدہ نہیں ہے اور کاغذ کی لاگت ہی دراصل پرچے کی COST کو سب سے زیادہ متأثر کرتی ہے۔ اس صورتِ حال کا ایک سادہ سا حل تو وہ ہے جس پر ہم ماضی میں عمل پیرا رہے ہیں کہ جب اخراجات کا بار ناقابلِ برداشت ہو جاتے تو پرچے کی قیمت میں اضافہ کر دیا جائے۔ اس مرتبہ ایک مختلف حل ہمارے پیش نظر ہے، اور ہمیں یقین ہے کہ پرچے کی قیمت بڑھانے کے مقابلے میں قارئین اسے پسند فرمائیں گے، وہ یہ کہ پرچے کی موجودہ قیمت کو برقرار رکھتے ہوئے پرچے کے صفحات میں معمولی سی کمی کے ذریعے اخراجات کو معیّن حدود کے اندر لایا جائے۔ یہ تجویز کئی ماہ سے ہمارے پیش نظر تھی اور ہم پچھلے دو ماہ سے اس کے مطابق پرچے کی پلاننگ کی کوشش میں تھے لیکن ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی اہم مضمون اپنی طوالت کے باعث ہمارے اس ارادے کی راہ میں حائل ہو جاتا تھا۔ تاہم زیرِ نظر شمارہ تازہ پالیسی کے مطابق ۹۶ کی بجائے ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور آئندہ کے لیے بھی ارادہ یہی ہے کہ پرچہ ۸۰ صفحات سے بڑھنے نہ پائے۔

السعی منّا والاتمام من اللہ

Adarts-CAR-2/88

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تذکرہ و تبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد

الحمدللہ کہ ۲۳ سے ۳۱ مارچ ۱۹۸۹ء تک تنظیم اسلامی اور مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی جملہ سالانہ تقریبات بحُسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں ـــــ چنانچہ :

۱۔ تنظیم اسلامی کا چودھواں سالانہ اجتماع بھی بفضلہٖ تعالیٰ نہایت بھرپور انداز میں منعقد ہوا'

۲۔ اسی طرح انجمن کا سترھواں سالانہ اجلاسِ عام بھی پہلی بار پورے اہتمام اور آب و تاب کے ساتھ زیرِ تعمیر قرآن آڈیٹوریم میں منعقد ہوا'

۳۔ ۲۴ تا ۲۸ مارچ مسلسل پانچ دن، روزانہ بعد نمازِ مغرب، جناح ہال، شارع قائداعظم، میں انجمن کے زیرِ اہتمام سالانہ محاضراتِ قرآنی کا سلسلہ جاری رہا جس میں شرکاء کی تعداد اور صرف ذوق و شوق ہی نہیں، جوش و خروش نے ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۶ء کی قرآن کانفرنسوں کی یاد تازہ کر دی۔

۴۔ نیز ان ہی ایام میں صبح کے اوقات میں قرآن اکیڈمی میں تنظیم اسلامی کے اُن رفقاء کیلئے توسیعی خطبات (EXTENSION LECTURES) کا سلسلہ جاری رہا جنہوں نے تربیت اور مطالعہ کے ابتدائی نصاب کی تکمیل کر لی تھی۔ ان میں روزانہ تقریباً ڈھائی صدر رفقاء کی دو گھنٹے کی نشست راقم الحروف کے ساتھ رہی اور دو ہی گھنٹے کی رفیقِ مکرم سراج الحق سید کے ساتھ'

۵۔ مزید برآں، اس پورے پروگرام کے اوّل و آخر یعنی ۲۳ کی شام اور ۳۱ کی صبح کو تنظیم کی مرکزی مجلسِ مشاورت کے اجلاس ہوئے!

الغرض اس 'عشرۂ تقریبات' کے دوران ماڈل ٹاؤن میں واقع قرآن اکیڈمی اور جامع القرآن، نیو گارڈن ٹاؤن میں واقع قرآن کالج اور قرآن آڈیٹوریم اور شارعِ قائداعظم پر

واقع جناح ہال اور اس کے گرد و نواح میں خوب گہما گہمی اور جشن کا سماں رہا ـــــ اور جملہ شرکاء نے اپنے اپنے ظرف کی وسعت اور داخلی کیفیات کی مناسبت سے مقدور بھر حظ و کیف حاصل کیا۔ چنانچہ جہاں سب نے کم از کم یہ "بھلا گردشِ فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا۔ غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں۔!" کا سا اطمینان محسوس کیا، وہاں بہت سوں نے بعد "قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں!" کے مصداق رُوح میں تازہ بالیدگی، اور قلب میں نئے انبساط کے ساتھ ساتھ، نورِ ایمان میں نئی تابندگی، اور جذبۂ جہاد میں حرارتِ تازہ کا اضافہ محسوس کیا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّة!

اِن نَو دنوں کے دوران خود راقم الحروف پر کام کا جس قدر دباؤ رہا، اُس کا اندازہ ایک نگاہِ بازگشت کے ذریعے کرتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ ستاون برس کی عمر اور صحت کی ناقابلِ رشک کیفیت میں اتنی شدید مشقت کیسے برداشت ہو گئی۔ ان 'تقریبات' کی جو مختصر رپورٹ چوہدری غلام محمد صاحب کے قلم سے اس شمارے میں شامل کی جا رہی ہے اُس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان ایّام میں راقم کی مصروفیت کا کیا عالم رہا۔ جب تک یہ سلسلہ جاری رہا طبیعت اللہ کی توفیق و تائید، اور قوتِ ارادی کے بل پہ قائم رہی، لیکن بالآخر اس کا جو طبعی نتیجہ نکلنا چاہیئے تھا وہ نکل کر رہا اور جمعہ ۱۳ مارچ کی صبح کو طبیعت ایک دم ڈھیر ہو گئی۔ چنانچہ کراچی کے رفیق تنظیم زین العابدین صاحب نے گہرے تأثر کے ساتھ فرمایا کہ: "اب آپ چند دن کامل آرام کریں۔ اس لئے کہ اس وقت آپ کا چہرہ 'SULLEN FACE' کا نقشہ پیش کر رہا ہے!" اور واقعتہً اُس وقت میری کیفیت یہ تھی کہ محسوس ہوتا تھا کہ محض ہاتھ یا پاؤں کی معمولی سی حرکت کے لئے بھی خصوصی قوتِ ارادی کو بروئے کار لانا ضروری ہے ـــــ لیکن اس حال میں بھی ایک وعدہ سر پر سوار تھا۔ اس لئے کہ فیصل آباد کے رفقاء نے ۱۳ کی شام کو ڈسٹرکٹ کونسل ہال، فیصل آباد میں ماہانہ درس کا وعدہ لے لیا تھا۔ اور اب وہ اس کے ایفاء پر مُصر تھے، چونکہ پہلے ہی مسلسل دو ماہ کا ناغہ ہو چکا تھا ـــــ ـــــ لہٰذا جیسے بھی بن پڑا، نمازِ جمعہ کے فوراً بعد فیصل آباد جانا ہوا جہاں بعد مغرب دو

گھنٹے کا درس ہوا جس میں پوری سورۂ قیامہ بیان ہوئی اور پھر راتوں رات واپسی بھی ہوئی! (اگرچہ اس سفر کے لئے ایک خصوصی تکلیف عزیزم سعید اسعد سلمہٗ کو دینی پڑی جو اپنی نئی اور آرام دہ گاڑی میں دو گھنٹے چودہ منٹ میں قرآن اکیڈمی لاہور سے برادرم ڈاکٹر عبدالسمیع کے مکان واقع پیپلز کالونی، فیصل آباد لے گئے، اور بحمداللہ ایک گھنٹہ انسٹھ منٹ میں ڈسٹرکٹ کونسل ہال فیصل آباد سے قرآن اکیڈمی لے آئے! جہاں راقم نصف شب کے لگ بھگ "بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَيْهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا" کا ورد کرتے ہوئے آنعزیز کی گاڑی سے اُترا۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ!)

اس 'عشرۂ تقریبات' سے متصلاً قبل تقریباً ایک ہفتہ راقم نے 'حکمتِ قرآن' کی اشاعتِ خصوصی بابت مارچ و اپریل ۸۹ء کی تیاری کے ضمن میں شدید محنت کی اور لگ بھگ ۶۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ایک طویل تحریر میں اللہ تعالیٰ کے اُس فضل و کرم اور تائید و تیسیر کا تفصیلاً ذکر کیا جس کے نتیجے میں اس 'دعوتِ رجوع الی القرآن' کا غلغلہ بلند ہو سکا جس کے اہم عنوانات ہیں حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن، اور سلسلۂ مطبوعاتِ قرآن اکیڈمی، قرآن کانفرنسیں، قرآنی تربیت گاہیں اور محاضراتِ قرآنی، اور درسِ قرآن اور فکرِ قرآنی کے اہم اور اساسی موضوعات پر خطبات کے لاتعداد آڈیو اور ویڈیو کیسٹ، اور جس کے اہم سنگ ہائے میل ہیں اولاً انجمن خدام القرآن، پھر قرآن اکیڈمی اور جامع القرآن، اور بالآخر قرآن کالج اور قرآن آڈیٹوریم! (اور جس کا سلسلہ، اگر اللہ نے چاہا تو منتج ہوگا 'جامعۃ القرآن' یعنی قرآن یونیورسٹی کے قیام پر!)

—— اس طویل تحریر کی تسوید کے دوران راقم کے ذہن و شعور پر غلبہ رہا سورۃ الضحیٰ کی آخری آیتِ مبارکہ "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کا۔ چنانچہ ان ہی الفاظِ مبارکہ کو اُس کا عنوان قرار دیا گیا۔ (اُمید واثق ہے کہ 'میثاق' کے تمام قارئین 'حکمتِ قرآن' بھی ضرور پڑھتے ہوں گے۔ تاہم اگر اس میں کوئی استثناء ہو تو ایسے حضرات کی خدمت میں تاکیداً عرض ہے کہ اس اشاعتِ خصوصی کو ضرور نظر سے گزار لیں!)

'عشرۂ تقریبات' کے دوران راقم کے ذہن و شعور پر 'بحمداللہ' سورۂ فتح کے وہ

الفاظِ مبارکہ چھائے رہے جن میں اسلامی دعوت اور تحریک کو ایک اُگتی ہوئی کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی :

"کَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ"

ترجمہ : "جیسے کھیتی کہ نکالا اس نے اپنا پٹھا، پھر اس کی کمر مضبوط کی، پھر وہ گدرائی اور پھر کھڑی ہوگئی اپنی نال پر، دل موہ لیتی ہے کاشت کاروں کا، تاکہ اُن (کی خوشی) کے ذریعے کافروں کے دلوں کو جلائے !

اس لئے کہ نمازوں کے اوقات میں جامع القرآن کے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہال، محاضراتِ قرآنی کے دوران پورے پانچ دن جناح ہال کی یہ کیفیت کہ محاورۃً نہیں واقعۃً تل دھرنے کو جگہ نہ ملے، اور انجمن کے اجلاسِ عام میں زیرِ تعمیر قرآن آڈیٹوریم (جسے فی الوقت چھت نہ ہونے کی بنا پر اوپن ایئر آڈیٹوریم کہا جاسکتا ہے) کا لبالب پُر ہونا یقیناً ایسے مناظر تھے جن سے اس بوڑھے کسان کو حقیقی قلبی مسرت حاصل ہوتی رہی جس نے اپنی عمرِ عزیز کے ساڑھے تیئیس سال اور ان کے دوران جسم و جان کی بہتر اور بیشتر توانائیوں کو اس کھیتی کی تخم ریزی اور آبیاری کے نذر کر دیا تھا ! چنانچہ اس کے روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کے لئے تشکر و امتنان کے جذبات پھوٹتے رہے اور قلب کی گہرائیوں سے حمدِ باری تعالیٰ کے نغمے اُبلتے رہے کہ اُس کے لئے : "وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ" کا معاملہ کلیتہً آخرت ہی پر نہیں رکھا گیا ـــــ بلکہ اُس کی رُوح پرور اور وجد آفریں جھلکیاں اس دنیا میں بھی دکھادی جاتی ہیں ! ؏ "اِک بندۂ عاصی کی اور اتنی مداراتیں !"

اِسی کیفیت میں اچانک ایک روز ذہن منتقل ہوا محترم پروفیسر عبدالغفور احمد کے اُن ریمارکس کی جانب جو اُن کے ایک حالیہ انٹرویو ('چٹان' بابت ۷ فروری ۱۹۸۹ء) میں اس عاجز و ناچیز کے بارے میں وارد ہوئے ہیں ـــــ یعنی :

"ڈاکٹر صاحب بڑے محترم ہیں ہمارے لئے، میرے دل میں ان کی بڑی قدر ہے علمی

حیثیت سے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف ہے اور مجھے اس بات کا شرف حاصل ہے کہ میں ۱۹۵۷ء سے ان سے استفادہ کرتا رہا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ آرام کرسی پر بیٹھ کر آدمی بہت اچھی اچھی باتیں کرسکتا ہے۔ مجھے تقریر آتی تو میں بھی بہت اچھی تقریر کرلیتا کہ کیسے کرنا چاہیئے یوں کرنا چاہیئے، یوں کرنا چاہیئے یہ کرنا چاہیئے وہ کرنا چاہیئے باہر بیٹھ کر یہ کہنا کہ فلاں آدمی اس طرح سے نہیں کھیلا اسے اس طرح کھیلنا چاہیئے ایسے کرتا یہ کرتا وہ کرتا ہم تو یہ کہتے ہیں وہ آدمی جو باہر بیٹھنے والا ہو ناقد کی حیثیت سے ہو اور تنقید کرنا اسے آتی ہو وہ بہت اچھی اچھی باتیں کرسکتا ہے لیکن جب ایک آدمی میدان میں اترتا ہے تو اسے پھر حقائق کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ کیا کرے؟ ہم تو ڈاکٹر صاحب سے کہتے ہیں کہ آرام کرسی پر بیٹھ کر تقریریں کرنے کے بجائے میدانِ عمل میں اتریں اور کام کریں۔ جماعتِ اسلامی صرف ایک پارٹی رہ گئی ہے جس پر تنقید کرتے رہیں کہ اس نے یہ کر دیا اس نے وہ کر دیا۔ میدان سے باہر بیٹھ کر تو وہ بہت اچھی تنقید کر سکتے ہیں۔ میں بھی اگر کرسی پر بیٹھ کر جھولتا رہوں اور سارے اخبارات دیکھنے کے بعد ہر پارٹی پر تنقیدی نگاہ ڈالتا رہوں تو بھئی! بہت اچھی تنقید کرسکتا ہوں۔ صفحے کے صفحے بھر دے سکتا ہوں۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب کو اللہ نے بہت صلاحیت دی ہے لیکن وہ ایسے کام میں اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہے ہیں۔ اسلام ایک "آرام کرسی کا مذہب" نہیں ہے۔ اسلام مذہب ہے جدوجہد کا۔ جس میدان میں وہ چاہتے ہیں جدوجہد کریں۔ وہ جدوجہد شروع کر دیں۔ وہ چاہتے ہیں جمہوریت ہو تو میدان میں جمہوریت کے لئے نکلیں میں تو ان کے رسالے نہیں پڑھتا ہوں۔ میں نے ان سے بہت استفادہ کر لیا ہے اب مجھے موقع نہیں ملتا میری مجبوری ہے کہ میں پوری طرح نہیں پڑھ پاتا لیکن میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ دیکھیں کہ فٹبال آدمیوں میں بہت فرق ہے۔ ایک وہ جو میدان میں کام کر رہا ہو اور ایک وہ آدمی جو میدان سے باہر بیٹھا ہوا کھلاڑیوں کو دیکھ رہا ہے کہ کس نے کہاں فاؤل کیا کس نے کہاں اچھا کیا۔ یہ اُن کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہ تو انہوں نے بہت کر لیا ہے جس کو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہتر ہیں وہ بجائے اس کے کھلاڑیوں پر تنقید کریں، میدانِ عمل میں نکلیں"۔

اگر پروفیسر صاحب موصوف کی یہ ترجمانی درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک "تالوں میں تال بھوپال تال، باقی سب تلیاں" کے مصداق 'کام'، بوصرف سیاسی تحریکوں میں شمولیت اور انتخابی سیاست کے کھیل میں شرکت ہے، باقی سب کام تو یا دل کے بہلاوے ہیں یا وقت گذاری کے مشغلے! ___ اور اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اُن کے نزدیک مولانا مودودی مرحوم نے ۱۹۳۳ء سے (جب انہوں نے 'ترجمان القرآن' جاری کیا) ۱۹۵۱ء تک (جب پہلی بار الیکشن میں حصّہ لیا) پورے اٹھارہ سال قطعاً کوئی کام نہیں کیا بلکہ یہ عرصہ یا تو آرام کرسی پر جھولتے ہوئے گذار دیا ___ یا بقول "ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے!" کے مصداق ساحل پر بیٹھ کر طوفان کا نظارہ کرنے میں بسر کر دیا! ___ اس لئے کہ اس طویل عرصے کے دوران، ظاہر ہے کہ انہوں نے نہ کبھی کسی انتخاب میں حصّہ لیا (حتیٰ کہ ۱۹۴۶ء کے فیصلہ کن انتخابات کے موقع پر بھی قوم کا ساتھ نہ دیا) نہ کسی سیاسی تحریک میں شمولیت اختیار کی (یہاں تک کہ تحریکِ آزادی میں بھی کوئی حصّہ نہیں لیا) ___ بلکہ اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں کو اپنے فہم کے مطابق ایک خالص اسلامی تحریک کے لئے فکری طور پر میدان ہموار کرنے اور مردانِ کار کی تلاش اور انہیں کسی جماعتی نظم میں منسلک کرنے میں کھپا دیا!

اور واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ کسی چلتے ہوئے قافلے میں شریک ہو گئے ہوں انہیں یہ اندازہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی نئی جمعیت کی فراہمی اور نئے قافلے کی تشکیل کے لئے کیسی جانگسل محنت اور مشقّت کی ضرورت ہوتی ہے، اور بلاشبہ انسانی معاشرے میں اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے اس سے زیادہ مشکل اور صبر آزما کام کوئی نہیں!

___ لہٰذا پروفیسر صاحب کی خدمت میں "پیر شو بآموز!" کے مصداق یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ کبھی اس پر غور فرمائیں کہ جس جماعت کی نائب امارت کے ہوائی گھوڑے پر سوار وہ نہ صرف ملک کے طول و عرض بلکہ کرۂ ارضی کے شرق و غرب میں اُڑے پھرتے ہیں وہ اُن کی طرح مولانا مودودی کو بھی کہیں سے بنی بنائی نہیں مل گئی تھی بلکہ اس کے لئے آں مرحوم نے سالہا سال تک دن کا چین اور راتوں کا سکون حرام کیا تھا۔ اور ہر دوسرے کام سے مجتنب اور یکسو ہو کر

اپنی ساری توجہ اور سعی و جہد کو صرف اسی ایک کام پر مرکوز کیا تھا۔ تب وہ چھوٹا سا قافلہ تشکیل پایا تھا اور وہ مختصر سی جمعیت فراہم ہوئی تھی ــــ جس کی نائب امارتوں کی تعداد موجودہ حکومتوں کے وزیروں اور مشیروں کی تعداد کے مانند بڑھتی چلی جارہی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ خود اپنی ایک ابتدائی غلطی اور بعد ازاں بعض دوسرے غلط اقدامات کے باعث جب مولانا مودودی کو ۵۷-۱۹۵۸ء میں اپنے بہترین ساتھیوں کی رفاقت سے محروم ہونا پڑا تو پھر انہیں جن لوگوں پر کلی انحصار کرنا پڑا ان کی 'کرم فرمائیوں' کا تذکرہ اگر اُن کے صاحبزادوں، بالخصوص ڈاکٹر سید احمد فاروق سے سنا جائے تب تو بے اختیار اقبال کا یہ شعر یاد آجاتا ہے کہ ؎

گِلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے،
کِسی بُت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی "ہری ہری"!

اور اگر اتنا تکلف، نہ بھی کیا جائے تب بھی آنمرحوم کی اپنے جماعتی جانشینوں سے یہ بیزاری تو اظہر من الشمس ہے ہی کہ جب منصورہ کی صورت میں اُس جماعت کا شاندار، ہیڈ کوارٹر، تیار ہوا جس کی بنیادوں میں انہوں نے اپنی ہڈیوں کا چورا اپنے خون کے گارے سے چُنا تھا تو نہ زندہ مودودی نے خود وہاں منتقل ہونا گوارا کیا، نہ اُن کی وفات پر اُن کے ورثاء نے ان کے جسدِ خاکی کو وہاں دفن کرنے کی اجازت دی! اگرچہ آج بھی اُن کے فکر کی بالخصوص عالمِ عرب میں مقبولیت کے طفیل، جماعت کے امراء و نائبین اُن کے اسی دَور کی محنت کی کمائی کھا رہے ہیں جب وہ اپنے بند کمرے میں میز کرسی پر بیٹھ کر ہمہ تن اور ہمہ وقت تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے! فاعتبروا یا اولی الابصار!

ان سطور کے احقر راقم پر اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل و کرم کا ایک مظہر، جس کا ذکر "وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ" کی تعمیل کی تکمیل کے لئے ضروری ہے، یہ ہے کہ اگرچہ اُس کی محنت کے نتائج کا ظہور بہت ہی سست رفتاری سے ہوا ہے، (جس پر غیر تو پھبتیاں چُست کرتے ہی ہیں، اپنے بھی تشویش کا اظہار کرتے رہتے ہیں) تاہم "سہج پکے سو میٹھا ہو" کے مصداق بحمداللہ گذشتہ ساڑھے تیئیس سال کے دوران اس کی پیش رفت، خواہ اس کی رفتار

روائتی کھوسے والی ہی رہی ہو، بہرحال مستقل اور مسلسل بھی رہی ہے، اور یکساں اور ہموار بھی!۔
چنانچہ ایک بالکل فطری تدریج سے ایک فرد کی مساعی کے نتیجے میں اولاً ایک "ادارہ" (انجمن خدام القرآن) اور پھر اسی کی کوکھ سے ایک "جماعت" (تنظیم اسلامی) وجود میں آئی، اور الحمدللہ کہ اِس پورے سفر کے دوران نہ کبھی کوئی دھماکہ خیز اختلاف سامنے آیا۔ نہ کبھی کسی بڑے پیمانے پر "علیحدگی" ہوئی، اور بفضلہ تعالیٰ گذشتہ چودہ سالوں سے انجمن اور تنظیم باہم ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کامل توافق و تعاون کے ساتھ جانبِ منزل رواں دواں ہیں۔

اس سلسلے میں خاص طور پر ۳۰ مارچ کی شام کو قرآن آڈیٹوریم جو منظر پیش کر رہا تھا اس سے میرا ذہن کوثر نیازی صاحب کے ایک شعر کی جانب منتقل ہو گیا، جو کوثر صاحب کے تحریکی دَور کے بہت سے دوسرے اشعار کے مانند مجھے بہت پسند ہے۔ یہ شعر انہوں نے اپنی شادیٔ خانہ آبادی کے فوراً بعد نظر بند ہو جانے پر جیل میں کہا تھا ؎

"کوثر شبیہِ یار ہے اشکوں کے درمیاں   یا چاند آگیا ہے ستاروں کی گود میں!"

مجھے اُس روز واقعتہً ایسے محسوس ہوا کہ جیسے تنظیمِ اسلامی انجمن خدام القرآن کی گود میں ہو۔ اس لئے کہ انجمن کا بغیر چھت کا آڈیٹوریم بالکل ایک کھلی گود کے مانند نظر آرہا تھا ـــــ اور اس میں جو لوگ جمع تھے اُن کی عظیم اکثریت تنظیم سے وابستہ لوگوں پر مشتمل تھی۔ چنانچہ اجلاس کے صدر سید سراج الحق صاحب نے اپنے صدارتی کلمات میں بالفعل یہ کہہ بھی دیا کہ "اگر کچھ لوگوں کے ذہنوں میں انجمن اور تنظیم کے مابین کوئی خیالی فصیل حائل ہے تو اسے آج گر جانا چاہیئے!"

اس ضمن میں راقم اپنے آپ پر "اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا" کا جو انعکاس (خواہ لاکھ میں ایک، بلکہ کروڑ میں ایک کی نسبت ہی سے سہی!) محسوس کرتا ہے اس کے احساس و شعور کی پوری شدت اس وقت اجاگر ہوتی ہے جب راقم اپنے حالات کا موازنہ مولانا مودودی کے حالات سے کرتا ہے۔ اس لئے کہ جہاں تک ذاتی صلاحیتوں اور استعدادات کا تعلق ہے مولانا مرحوم سے مجھے کوئی نسبت حاصل نہیں، اُن کا دینی علم بھی کم از کم مجھ سے تو بہت زیادہ تھا، پھر وسعتِ مطالعہ میں بھی وہ بہت آگے تھے، پھر پابندیٔ اوقات کے ساتھ مسلسل محنت و مشقت کا مادّہ ان میں بے پناہ تھا، ـــــ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تحریر و انشاء کی

صلاحیت تو انہوں نے بدرجۂ اتم حاصل کی تھی، یہاں تک کہ جیسے حفیظ جالندھری مرحوم نے اپنے بارے میں کہا ہے کہ ؎ "کیا پابندِ نَے نالے کو میں نے ۔ یہ طرزِ خاص ہے ایجاد میری!" اُسی طرح احسان دانش ایسے نقاد نے خود مجھ سے یہ الفاظ کہے تھے کہ "مولانا مودودی ایک خاص طرزِ انشاء کے موجد ہیں!" ـــــ لیکن اس سب کے باوصف انہیں جن نامساعد اور ناموافق حالات کا سامنا رہا اور اپنے کام کے ضمن میں انہیں جو پے بہ پے دھچکے لگتے رہے اور صدموں سے دوچار ہونا پڑا اُس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اوّلاً ـــــ پنجاب میں اُن کی آمد ایک 'مہمان' کی حیثیت سے ہوئی، اور میزبان بھی وہ نہیں تھا جس نے بلایا تھا یعنی علامہ اقبال مرحوم بلکہ ان کا عقیدت مند جسے مولانا مودودی سے خود کوئی ذاتی مناسبت نہیں تھی۔ پھر یہ کہ اصل 'داعی' بہت جلد داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گیا۔ چنانچہ میزبان اور مہمان میں مسلسل چپقلش رہی۔ یہاں تک کہ ایک بار مولانا کو بستر الوریا سمیٹ کر 'ادارۂ دارالاسلام' کو خیرباد کہہ کر لاہور آجانا پڑا ـــــ اور جماعتِ اسلامی کی تشکیل کا مرحلہ یہیں طے پایا۔ اور اگرچہ بعد میں پھر صلح صفائی ہوگئی اور پھر قیامِ پاکستان تک جماعت کا مرکز وہیں قائم رہا، تاہم باہمی چپقلش کی کوفت مسلسل برقرار رہی ـــــ ثانیاً ـــــ قیامِ جماعت کے دو ہی سال بعد ایک انتہائی دھماکہ خیز اختلاف پیدا ہوا اور ارکانِ جماعت کی ایک تہائی تعداد نے علیحدگی اختیار کر لی (جن میں مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، اور مولانا جعفر شاہ پھلواروی ایسے اکابر بھی شامل تھے) ـــــ ثالثاً ـــــ قیامِ جماعت کے لگ بھگ پندرہ سال بعد پھر ایک زبردست خلفشار رونما ہوا ـــــ اور اس بار عام ارکان کی تو اگرچہ بہت قلیل تعداد نے علیحدگی اختیار کی لیکن پندرہ سالوں میں جماعت اسلامی پاکستان کی قیادت کی جو دوسری صف، تیار ہوئی تھی وہ تقریباً کُل کی کُل، صاف، ہوگئی (واضح رہے کہ راقم خود کو دوسری تو کیا تیسری یا چوتھی صف میں بھی شامل نہیں سمجھتا، اُس کی حیثیت اُس وقت تک صرف عام اور 'نووارد' و نوجوان کارکن کی تھی!) ـــــ اور ان پر جب راقم اضافہ کرتا ہے مولانا کی حیاتِ مستعار کے آخری دَور کی درماندگی و دل شکستگی کا تو بے اختیار قلب کی گہرائیوں سے شکر و حمد کے سوتے اُبلنے لگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تاحال

اس قسم کے 'دھچکوں' اور صدموں سے محفوظ و مصئون رکھا ہے اور اگرچہ کبھی کبھی ساتھیوں کی "کم کوشی" کا شکوہ بھی دل میں پیدا ہو جاتا ہے، اور اکثر و بیشتر خود اپنی بے بضاعتی و کم مائگی اور اقامتِ دین ایسے عظیم کام کی مناسبت سے جو صلاحیتیں لازماً درکار ہیں اُن کے اعتبار سے اپنی تہی دستی اور تہی دامنی کے احساس سے طبیعت پر 'قبض' کی کیفیت بھی طاری ہو جاتی ہے، تاہم یہ اطمینان ضرور حاصل ہے کہ "راہی" "بھی" "کم کوش" تو ہیں "بے ذوق" نہیں، اور رفتار بھی کم تو ہے مایوس کن نہیں ـــــ بلکہ بحمداللہ 'SLOW' ہونے کے ساتھ 'STEADY' بھی ہے، ـــــ رہا اقامتِ دین کی جدّوجہد میں بالفعل کامیابی سے ہم کنار ہو جانا تو اُس کی ہمیں کوئی 'چِنتا' ہے ہی نہیں۔ اس لئے ہمارے لئے تو کامیابی کے اعتبار سے ع "یا تن رسد بہ جاناں، یا جاں زتن برآید" دونوں ہی بالکل برابر اور یکساں اور قرآن حکیم کے مبارک الفاظ میں "اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ" کے مترادف ہیں! (سورۂ توبہ: آیت ۵۲) اور ہمارے اطمینان کے لئے سورۂ نساء کی آیت ۱۰۰ کے یہ الفاظِ مبارکہ تو نصِ صریح کا درجہ رکھتے ہی ہیں:

"وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ!"

ترجمہ: "جو اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب ہجرت کی نیت سے تو اگر اسے (راہ ہی میں) موت نے آلیا تب بھی اُس کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہو گیا!"

درج ذیل حدیث بھی خواہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہی ہو ہماری حوصلہ افزائی کا وافر سامان لئے ہوئے ہے (اسے امام دارمیؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے!)

"مَنْ جاءہ الموتُ وھو یَطْلُبُ العِلْمَ لِیُحْیِیَ بِہِ الاسلامَ فبینہ وبین النبیّینَ دَرَجَۃٌ وَّاحِدَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ"

ترجمہ: "جس شخص کو موت آگئی اس حال میں کہ وہ احیاءِ اسلام کی نیت سے علم حاصل کر رہا

تھا تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے مابین صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا!"
اور تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو!" کے مصداق خواہ مولانا امین احسن اصلاحی خود بھول گئے ہوں ، ہمیں تو سے " تم تو غم دے کے بھول جاتے ہو ۔ مجھ کو احساں کا پاس رہتا ہے ! " کے مصداق ابھی تک اچھی طرح یاد ہیں مولانا کے یہ الفاظ کہ :

" پھر اگر ہم نے اس جدّ و جہد میں بازی پالی تو فھو المراد اور اگر دوسری بات ہوئی تب بھی تمام راستوں میں ایک حق ہی کا راستہ ایسا ہے جس میں ناکامی کا کوئی سوال نہیں اس میں اوّل قدم بھی منزل ہے اور آخر بھی ، ناکامی کا اس کوچہ میں گزر ہی نہیں ہے اس کو مان لینے اور اس پر چلنے کا عزم راسخ کر لینے کی ضرورت ہے ۔ پھر اگر تیز سواری مل گئی تو فبہا ۔ یہ نہ سہی تو چھکڑے ملیں گے ۔ انہی سے سفر ہوگا ۔ یہ بھی نہیں تو دو پاؤں سے موجود ہیں ۔ ان سے چلیں گے ۔ پاؤں بھی نہ رہیں تو آنکھیں تو ہیں ۔ ان سے نشانِ منزل دیکھیں گے ، آنکھیں بھی اگر بے نور ہو جائیں تو دل کی تو آنکھ تو ہے جس کی بصارت کو کوئی سلب نہیں کر سکتا بشرطیکہ ایمان موجود ہو ...... "

ماخوذ از ' دعوتِ اسلامی اور اس کے مطالبات '

بہرحال جس طرح سورۂ لقمان کی آیت ۲۷ میں فرمایا گیا ہے کہ " اگر کل روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر ، مزید سات سمندروں سمیت ، روشنائی بن جائیں تب بھی اللہ کے کلمات حیطۂ تحریر میں نہیں لائے جا سکتے !" اسی طرح ہمارا واقعی احساس یہ ہے کہ اگر ہمارے بدن کا ایک ایک رُواں اور جسم کا ایک ایک ریشہ ترانۂ حمد و شکر الاپنے لگے تب بھی اللہ کے اس احسان کے شکر کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا کہ اس تعالیٰ نے ہمیں راہِ حق کی ہدایت مرحمت فرمائی اور پھر اس پر استقامت بھی عطا کی ! اور اب اُسی سے استدعا ہے کہ

" رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ! ــــــ آمین یا ربّ العٰلمین !

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

اے ہمارے رَبّ، اگر ہم بھول جائیں یا چُوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

اور اے ہمارے رَبّ، ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اور اے ہمارے رَبّ، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انارکلی لاہور

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ ڈاکٹر اسرار احمد کے دروسِ قرآن کا سلسلہ

الہُدیٰ

درس ۱۲ نشست ۵۸

مباحثِ عمل صالح

مسلمانوں کی سیاسی و مِلّی زندگی کے رہنما اصول

سُورۃ الحجرات کی روشنی میں

(۵)

الحمد للّٰہ و کفٰی والصلوٰۃ والسّلام علی عبادہ الذین اصطفٰی ۔ اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم - بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم
یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ○
صدق اللّٰہ مولانا العظیم

"اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں کی شکل میں تقسیم کیا تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ خداترس اور پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ (سب کچھ) جاننے والا ہے (اور) باخبر ہے"۔

معزّز حاضرین اور محترم ناظرین...... یہ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر تیرہ ہے۔ جس کی تلاوت اور رواں ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ میں نے اس سورۂ مبارکہ کے بالکل آغاز میں یہ عرض کیا تھا کہ اس سورہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ درمیانی حصے میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد و یگانگت اور اخوت و محبت کے ضمن میں آٹھ احکام

آئے ہیں' جبکہ پہلے اور آخری حصے میں اجتماعیاتِ انسانیہ کے بہت اہم مضامین زیر بحث آئے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ پہلے حصے میں اسلامی ہیئتِ اجتماعیہ' خواہ وہ ریاست کی صورت میں ہو خواہ معاشرہ کی شکل میں ہو' اس کی دو اساسات کا ذکر تھا..... ایک دستوری اور قانونی اساس کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کے دائرے کے اندر اندر رہو' اس سے تجاوز نہ کرو..... اور دوسری ایک قلبی اور جذباتی بنیاد' یعنی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرکزی شخصیت سے مضبوط تعلقِ خاطر' آپؐ سے انتہائی درجے کی قلبی محبت' آپؐ کا ادب و احترام اور آپؐ پر بحیثیتِ رسول پختہ ایمان۔

اس آخری حصے میں انسان کی ہیئتِ اجتماعیہ سے متعلق پھر نہایت اہم باتیں سامنے آ رہی ہیں۔ آج جو آیت زیر مطالعہ ہے اس کے ضمن میں سب سے پہلے تو یہ بات نوٹ کیجئے کہ یہاں خطاب کا انداز بدل گیا۔ یہاں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے بجائے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ آیا' جبکہ اس سے پہلے اس سورہ میں پانچ مرتبہ خطاب کے لئے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ آئے۔ معلوم ہوا کہ وہاں خطاب صرف اہلِ ایمان سے تھا۔ یہاں جو خطاب کے الفاظ بدل گئے ہیں تو وہ یوں ہی نہیں بدلے بلکہ اس لئے بدلے ہیں کہ اس آیت کا جو مضمون ہے وہ ایک آفاقی حقیقت (UNIVERSAL TRUTH) اور تمام انسانوں کے مابین ایک قدرِ مشترک ہے' اس سے قطع نظر کہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے ہوں' گورے ہوں یا کالے ہوں' مسلمان ہوں یا یہودی' عیسائی' بدھ' ہندو' سکھ اور پارسی ہوں' یا مشرک اور دہریئے ہوں۔ تمام انسانوں کے درمیان دو چیزیں مشترک ہیں جنہیں اس آیۂ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ خطاب فرمایا گیا۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ یعنی 'اے بنی نوع انسان'..... 'اے لوگو! اب وہ دو مشترک چیزیں بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ پہلی چیز ہے اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ "ہم نے تم سب کو پیدا کیا"..... بنی نوع انسان کے دو یا چار خالق نہیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ گوروں کو پیدا کرنے والا کوئی گورا خدا ہو اور کالوں کا خالق کوئی کالا خدا ہو۔ معاذ اللّٰہ ثم معاذ اللّٰہ ایسا بھی نہیں ہے کہ مشرق کے رہنے والوں کا خالق کوئی اور ہو اور مغرب والوں کو پیدا کرنے والا کوئی اور ہو۔ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ مشرق و مغرب سب کا اللہ ہی مالک ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ مسلمان کا خالق کوئی اور خدا ہو اور غیر مسلم کا خالق کوئی اور خدا ہو بلکہ سب کا خالق صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔ جیسا کہ ہم سورۃ التغابن میں پڑھ آئے ہیں کہ: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ "وہ (اللہ) ہی ہے جس نے تم سب کو پیدا

کیا۔ پھر تم میں کوئی کافر ہے اور کوئی تم میں مومن ہے" ..... یوں سمجھئے کہ یہاں وحدتِ خالق اور وحدتِ الٰہ بیان ہوئی۔ یہ وہ مشترک قدر ہے جو تمام نوعِ انسانی کو ایک رشتے میں منسلک کرتی ہے۔ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ "ہم نے تم سب کو پیدا کیا" یہ پہلی قدرِ مشترک کا بیان ہوا۔

دوسری قدر مشترک کیا ہے! وہ ہے: مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی ..... "ایک مرد اور ایک عورت سے" ۔ یہ وحدتِ آدم اور وحدتِ حوّا کا ذکر ہوا۔ تمہاری نسلیں کتنی ہی مختلف ہیں، تمہاری رنگتیں کتنی ہی جدا ہیں، تمہارے نقوش، تمہاری شکلیں، تمہاری شباہتیں کتنی ہی مختلف ہیں، تمہاری زبانیں کتنی ہی جدا ہیں، لیکن تم سب اصل میں ایک ہی نسل ہو، تم سب کے سب آدم اور حوّا کی اولاد ہو۔ پس یہ دو مشترک قدریں ہیں جو تمام نوعِ انسانی کو ایک وحدت کے رشتے میں پروئے ہوئے ہیں اور چونکہ یہ دو چیزیں وہ ہیں جو تمام انسانوں سے متعلق ہیں، لہٰذا یہاں خطاب یٰاَیُّھَا النَّاسُ سے ہوا۔

اس کے بعد ایک بڑی اہم حقیقت ہے جس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ قوموں اور قبیلوں کی جو تقسیم بالفعل موجود ہے وہ بھی ہماری پیدا کردہ ہے۔ یعنی یہ تقسیم بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوئی ہے۔ ہمارے یہاں بڑا افراط و تفریط کا معاملہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ہم کبھی جوش و جذبہ میں آ کر اس تقسیم و تفریق کی بالکل نفی کر دیتے ہیں، جبکہ قرآن مجید اس کو تسلیم کر رہا ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ قومی خصائص بھی ہوتے ہیں، قبیلوں کی بھی اپنی چند خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں واقعی اور فطری ہیں۔ زبانوں کا فرق ہے تو وہ حقیقی ہے۔ اسی طریقہ سے شکل و شباہت کا فرق ہے، چہروں کے نقوش جدا ہیں، رنگتوں میں فرق ہے۔ کوئی گورا ہے، کوئی کالا ہے، کوئی گندمی اور زرد رُو ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ ایک شخص کو دیکھتے ہی ہم پہچان لیتے ہیں کہ یہ چینی ہے یا حبشی ہے۔ وقس علی ھذا .....

اُس شخص سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس سے آپ نے کچھ پوچھا نہیں اور صرف ظاہری رنگ اور نقوش سے پہچانتے ہی آپ نے اس کا سارا جغرافیائی پس منظر بھی جان لیا اور اس کا پورا تاریخی پس منظر بھی آپ کو معلوم ہو گیا۔ یہ ساری چیزیں درحقیقت تعارف کیلئے ہیں، پہچان کیلئے ہیں، چنانچہ فرمایا گیا وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط..... "اور ہم نے بنائیں تمہاری قومیں اور تمہارے قبیلے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو" ..... آپ خود سوچئے کہ اگر تمام انسان ایک رنگت کے ہوتے، تمام انسانوں کے نقوش ایک جیسے ہوتے تو کتنی یکسانیت (MONOTONY) ہوتی اور یہ کس قدر اکتاہٹ (BORING) والی کیفیت اور کتنی

بیزار کُن صورت ہوتی۔ اس اختلاف اور فرق وتفاوت میں حُسن ہے۔ ؎

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوقؔ اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے!

تو اس تقسیم وتفریق اور اختلاف میں جو بہتری کا پہلو ہے اُسے سامنے رکھا جانا چاہئے۔ ورنہ سوچئے کہ کتنا پریشان کن معاملہ ہوتا اور کیسے پہچانتے کہ یہ کون ہے! بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جڑواں اور ہم شکل بھائیوں یا بہنوں کے معاملے میں بڑے مغالطے ہوتے ہیں اور بہت سے لطیفے وجود میں آتے ہیں۔ ان کے مابین تمیز وامتیاز بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ فرق وتفاوت اور یہ اختلاف وامتیاز بالکل فطری (NATURAL) ہے اور اس کا ایک مقصد ہے۔ اس کا ایک بڑا تمدنی فائدہ یہ ہے کہ لِتَعَارَفُوْا "تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو"۔ اس کی نفی کرنا اسلام کی رُو سے صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس کی بنیاد پر انسانوں میں اونچ نیچ کا تصور قائم کرنا کہ فلاں نسل اعلیٰ ہے اور فلاں ادنیٰ' نوعِ انسانی کا فلاں طبقہ بڑھیا ہے اور فلاں گھٹیا..... یہ ہے بالکل غلط نظریہ اور سراسر غلط تصور۔ یہ انسانوں کے درمیان فساد' نفرت اور عداوت پیدا کرنے والا تصور ونظریہ ہے۔ یہ اونچ نیچ اور اعلیٰ وادنیٰ کی تقسیم اس فطری فرق وتفاوت کا بالکل غلط استعمال ہے' جسے قرآن حکیم صحیح تسلیم کر رہا ہے کہ: وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا "اور ہم نے تمہاری قومیں اور تمہارے قبیلے بنائے تاکہ تم باہم ایک دوسرے کو پہچانو" ——— لیکن ایک بنائے شرف' بنائے عزت بھی اللہ نے رکھی ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ..... جان لو کہ اللہ کے نزدیک تو تمہارے مابین اونچ نیچ کا معاملہ صرف ایک بنیاد پر ہے اور وہ بنیاد رنگ نہیں ہے' خون نہیں ہے' نسل نہیں ہے' وطن نہیں ہے' زبان نہیں ہے' شکل وصورت نہیں ہے' قومیت نہیں ہے' بلکہ وہ بنیاد ہے تقویٰ' خدا ترسی' پرہیزگاری' نکوکاری' اعلیٰ سیرت وکردار' اعلیٰ اخلاق اور احسن معاملات۔ اللہ کے نزدیک کوئی اونچا ہے تو ان اوصاف کی بنیاد پر اور کوئی نیچا ہے تو ان کے فقدان کی بناء پر۔ اونچ نیچ اور شرافت ورذالت کیلئے اس کے سوا اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی اور بنیاد نہیں ہے۔

اب اس آیت کے آخری حصے پر نگاہوں کو مرتکز کیجئے۔ فرمایا جا رہا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ "اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے' باخبر ہے"..... ان الفاظ کے ذریعہ سے اس وسوسے کا سدِّباب کر دیا گیا کہ تقویٰ تو دل میں ہوتا ہے۔ کسی کو کیا معلوم' ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص بہروپیا ہو' متقیوں جیسی صورت وشکل بنالے اور لباس پہن لے' نیز محض ریاء وسُمعہ

کیلئے ظاہری طور پر خوش خُلقی اور حسنِ سیرت و کردار کا پیکر بنا پھرے تو ٹھیک ہے کوئی شخص اس طرح بہروپ اور سوانگ کے ذریعہ سے دنیا میں اپنا کوئی رعب گانٹھ بھی لے تو وہ اللہ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اللہ علیم ہے، خبیر ہے۔ وہ تو جانتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے! کون واقعتاً خداترس ہے اور کون صرف دکھاوے کے لئے متقی بنا ہوا ہے! جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَشْيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ اصل تقویٰ وہ ہے جو خلوت میں بھی ہو جلوت میں بھی ہو۔ اگر صورت یہ ہو کہ ع چوں بخلوت می روند را کار دیگر می کنند۔ تو پھر یہ بہروپ ہے، تقویٰ نہیں ہے۔ پس اگر تمہارا اپنے رب کے ساتھ تعلق ہے تو اچھی طرح سمجھ لو کہ رب تو علیم ہے، خبیر ہے اور اللہ کی شان تو یہ ہے کہ وہ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے۔ اور وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ "اگر تم اپنے جی کی بات ظاہر کرو گے یا اس کو چھپاؤ گے اس کا وہ (اللہ) تم سے حساب لے لے گا"۔

اب اس پوری آیت کے بارے میں یہ بات نوٹ کیجئے کہ اس کے دو رُخ ہیں۔ ایک رخ تو اس مضمون کی طرف ہے جو پچھلے سبق میں آچکا ہے کہ استہزاء اور تمسخر نہ کرو، کسی کا مذاق نہ اڑاؤ، فقرے چست نہ کرو، کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو، کسی کے برے نام نہ رکھو، کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، خواہ مخواہ کی بدگمانی سے بچو، کسی کی غیبت نہ کرو، بلکہ مطلوب یہ ہے کہ باہمی اخوت ہو، محبت ہو، ہمدردی اور دمسازی ہو۔ تو اس کے لئے جو اصول اس آیت میں سامنے آیا بڑی بنیادی اہمیت کا حامل ہے..... حقارت کیوں ہوتی ہے! اپنے آپ کو بڑھیا سمجھنے کی وجہ سے۔ کوئی اپنے آپ کو اعلیٰ نسل کا سمجھتا ہے تو وہ ہر دوسرے کو ادنیٰ نسل کا سمجھے گا۔ اگر کسی کو اپنے کسی خلقی وصف پر..... جیسے رنگت یا اچھی شکل وصورت کوئی غرور پیدا ہو رہا ہے تو وہ ان وجوہ کی بناء پر دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا، اور ان کا تمسخر و استہزا کرے گا، حالانکہ یہ تمام چیزیں اختیاری نہیں ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں..... لہٰذا اس آیت میں اس اصل مرض کی جڑ کاٹ دی گئی، غرور کی علت پر تیشہ چلا دیا گیا کہ میں بڑا ہوں، میں اعلیٰ ہوں، میں اونچا ہوں۔ یہی وہ پندار ہے جو دوسرے کو حقیر اور ادنیٰ سمجھنے اور اس کا استہزا و تمسخر کرنے پر ایک دنی الطبع شخص کو آمادہ کرتا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں یہ حقیقت بیان کر دی گئی کہ تمام انسان، انسان ہونے کے ناطے ایک ہیں۔ ان کا خالق بھی ایک اور ان کا جدِّ امجد بھی ایک ہے۔

اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا:

لیس لعربیّ علی عجمیّ فضل ولا لعجمیّ علی عربیّ فضل ولا لاسود علی احمر فضل ولا لاحمر علی اسود فضل الا بالتقوی کلکم بنو آدم وآدم من تراب

"نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر فضیلت ہے اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر فضیلت ہے۔ بنائے فضیلت صرف تقویٰ ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے تخلیق ہوئے تھے۔"

اس آیتِ مبارکہ کا دوسرا رخ اس اعتبار سے ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ عام طور پر دنیا میں انسانوں کی تقسیم دو طریقوں سے ہوتی ہے۔ ایک افقی (HORIZ ONTAL) تقسیم ہے اور ایک عمودی (VERTICAL) تقسیم ہے۔ افقی تقسیم یہ ہے کہ کوئی اونچا ہے' کوئی اس سے بھی اونچا ہے' کوئی اعلیٰ ہے' کوئی ادنیٰ ہے۔ یہ تو ہے درجوں کا تفاوت۔ اور عمودی تقسیم جس سے معاشرے ایک دوسرے سے الگ تھلگ (ISOLATE) ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ اور سوسائٹی ہے' وہ اور سوسائٹی۔ یہ جرمن سوسائٹی ہے' وہ انگلش سوسائٹی۔ یہ فلاں ریاست ہے اور وہ فلاں ریاست۔ یہ فلاں قومیت ہے' وہ فلاں قومیت..... تو یہ دو تقسیمیں ہیں۔ دنیا میں عام طور پر پہلی تقسیم نسل' رنگ' خون اور وطن کی بنیاد پر ہے۔ اسلام نے تو اس کی بالکلیہ جڑ کاٹ دی کہ یہ اونچ نیچ اور اعلیٰ و ادنیٰ کی رنگ' نسل' خون اور وطن کی بنیاد پر تقسیم اپنی اصل کے اعتبار سے فساد ہے' فتنہ ہے' انسانیت کی توہین و تذلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف و عزت اور اکرام و اعزاز کا معیار اعلیٰ سیرت و کردار' حسنِ اخلاق' حسن معاملات' نکوکاری' پرہیز گاری اور خدا ترسی یعنی تقویٰ ہے۔

اب ہے دوسری عمودی تقسیم..... اور یہ تقسیم اسلام بھی کرتا ہے۔ ایک اسلامی معاشرہ بہرحال علیٰحدہ مشخص ہے ایک غیر اسلامی معاشرے سے۔ ایک اسلامی ریاست ممیز (DEMARKATE) ہوتی ہے ایک غیر اسلامی ریاست سے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہ عمودی تقسیم کس بنیاد پر ہے! تو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس تقسیم کی بنیاد نہ نسل ہے' نہ رنگ ہے' نہ خون ہے' نہ قوم و وطن ہے اور نہ ہی زبان ہے۔ یہ بنیاد ہے نظریہ' عقیدہ' خیالات اور اصول..... یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے والے ہیں' یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہیں۔ یہ بعث بعد الموت' حشر و نشر' جنت و دوزخ اور محاسبۂ اخروی کو ان تفاصیل کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں' جن کی خبر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز' قرآن

مجید میں اور جن کی خبر دی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات و فرمودات کرامی میں..... اسلام کی اصطلاح میں اس تسلیم و یقین کا نام **ایمان** ہے۔

حاصلِ گفتگو یہ نکلا کہ اسلام نے اس چیز کی کلی نفی کر دی جو افقی (HORIZONTAL) اور عمودی (VERTICAL) دونوں سطحوں پر نوعِ انسانی کو تقسیم کر رہی تھی۔ اسلام میں جو افقی تقسیم ہے وہ ہے تقویٰ یعنی نکوکاری' خدا ترسی اور پرہیز گاری کی بنیاد پر..... اور عمودی تقسیم یعنی اسلامی معاشرہ غیر اسلامی معاشرہ سے علیٰحدہ اور ممیز ہو گا' وہ ہو گا نظریہ و عقیدہ یعنی **ایمان** کی بنیاد پر..... پھر یہ بات پیش نظر رکھئے کہ کوئی انسان اپنی چمڑی کی رنگت بدل نہیں سکتا۔ وہ چاہے سو برس سے امریکہ میں رہ رہا ہو' وہ کالا ہی ہے۔ لہٰذا ایک ملک میں رہنے کے باوجود کالوں کا معاشرہ علیٰحدہ ہو گا' گوروں کا معاشرہ علیٰحدہ ہو گا۔ اگر کوئی شخص انگلش نسل سے ہے تو وہ جرمن نسل کا شمار نہیں ہو سکتا۔ یہ حدود تو وہ ہیں جن کو انسان CROSS نہیں کر سکتا' ان کو پھلانگ نہیں سکتا۔ یہ رکاوٹیں (BARRIERS) مستقل ہیں۔ جبکہ نظریے اور خیالات کے BARRIERS تو آناً فاناً ختم ہو جاتے ہیں۔ آج کوئی شخص کلمہ شہادت ادا کرتا ہے تو فی الفور وہ مسلمان معاشرے کا باعزت فرد بن جاتا ہے۔ ایک شخص جو خواہ ہندو سوسائٹی میں شودر ہو' اچھوت ہو' جس کا ہندو معاشرے کے اندر سڑک کے درمیان سے گزرنا بھی ممنوع ہو اور اس کے کانوں میں اگر وید کے اشلوک پڑ جائیں چاہے اس کی نادانستگی میں پڑے ہوں تو ہندو دھرم کی رو سے اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالنا لازم ہو جائے۔ لیکن آج اگر وہ کلمہ پڑھ لے تو وہ سید زادے کے ساتھ' شیخ الاسلام کے ساتھ' بڑے سے بڑے مسلمان کے ساتھ بھی کاندھے سے کاندھا ملا کر مسجد میں نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ نو مسلم ہر مسلمان کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھا سکتا ہے اور ایک ہی برتن سے پانی پی سکتا ہے' جبکہ پیدائشی شودر ہندو دھرم میں ہمیشہ ہمیش کے لئے اچھوت اور ناپاک رہتا ہے چاہے وہ تعلیم میں' کردار میں' اخلاق میں پیدائشی برہمن سے کتنا ہی ترقی یافتہ ہو..... ایمان کی تقسیم وہ نہیں ہے کہ جو مستقل بالذات ہو۔ یہ تقسیم تو وہ ہے کہ انسان جب چاہے اس رکاوٹ (BARRIER) کو عبور کرے اور اسلامی معاشرے میں شامل ہو جائے۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات میں یہ عرض کروں گا کہ اس آیتِ مبارکہ کی جدید دنیا کے اعتبار سے خاص اہمیت ہے۔ دیکھئے جدید دنیا میں بین الاقوامی اور عالمی سطح پر ایک عجیب DILEMMA ، ایک عقدۂ لاینحل پیدا ہو گیا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے فاصلے قریباً ختم کر دیئے ہیں۔ اب پوری دنیا کی حیثیت ایسی ہے جیسے کسی زمانہ میں ایک شہر ہوتا تھا اور اس کے محلے ہوتے

تھے۔ ذرائع ابلاغ و مواصلات اتنے ترقی کر گئے ہیں کہ فاصلے قریباً معدوم کے درجے میں آ گئے ہیں۔ کوئی EVENT 'کوئی واقعہ امریکہ میں ہو رہا ہو' اسے آپ ٹیلی ویژن پر براہِ راست یہاں بیٹھ کر دیکھتے ہیں۔ لیکن ظاہر اور خارج میں یہ فاصلے اتنے کم ہو جانے کے باوصف دلوں کے فاصلوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ دل پھٹے ہوئے ہیں۔ کوئی قدرِ مشترک موجود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ میں رہنے والا کالا اور گورا علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں۔ ان کے دلوں کو جوڑنے والا کوئی رشتہ موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید دور کی مادیت اور الحاد نے یہ دونوں بنیادیں منہدم کر دی ہیں۔ نہ وحدتِ خالق والہ باقی رہی' نہ وحدتِ آدم وحوا باقی رہی۔ کوئی تیسری چیز ہے ہی نہیں جو انہیں جوڑ سکے۔ ایک انگریز کو ایک جرمن کے ساتھ کون سی چیز جوڑے! ایک چینی کو روسی کے ساتھ کون سی چیز ہے جو جوڑ سکے! ایک جاپانی اور ایک ماریطانیہ کے رہنے والے کے مابین کون سی قدرِ مشترک ہے جو ان کو ایک رشتہ میں منسلک کر سکے!! یہ ہے وہ DILEMMA جس سے آج کی دنیا دوچار ہے' جبکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ نوعِ انسانی ایک وحدت بنے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اس کی شدید ضرورت ہے کہ نیشنل اسٹیٹس ختم ہو جائیں اور ایک عالمی اسٹیٹ قائم ہو۔ ورنہ نوعِ انسانی ہلاکت کے سخت خطرے سے دوچار ہے۔ اگر کہیں حادثاتی طور پر عالمی جنگ شروع ہو گئی تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ کیا انجام ہو گا! شاید یہ نوعِ انسانی کی اجتماعی خودکشی بن جائے۔ لیکن اس خطرے کے ادراک و شعور اور اس کے تدارک کے احساس کے باوجود دلوں کو قریب لانے والی انسان کی اپنی سوچ کسی مضبوط' پائیدار اور ٹھوس بنیاد تلاش اور فراہم کرنے میں تاحال ناکام و قاصر رہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے بعد پہلا تجربہ لیگ آف نیشنز کا کیا گیا اور وہ ناکام ہوا۔ اس لئے کہ جب فکر میں کوئی بنیاد نہیں' دلوں میں جگہ نہیں تو محض ساتھ بیٹھنے اور اپنے اپنے مفادات کی راگنی راگنے اور ان کے تحفظات کے لئے جائز و ناجائز طور پر اس نام نہاد عالمی ادارے کو استعمال کرنے سے مسائل تو حل نہیں ہو جائیں گے' بلکہ وہ تو مزید الجھیں گے اور ان کے نتائج پہلے سے بھی زیادہ خطرناک نکلیں گے' جیسا کہ بیس برس بعد ہی دوسری عظیم ترین جنگ (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کی صورت میں نکلے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس کے بارے میں کہا تھا کہ ؎

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبرِ بد نہ مرے منہ سے نکل جائے

لیگ آف نیشنز کی ناکامی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد تنظیم اقوام متحدہ (UNO) اور اس کی قائم کردہ سلامتی کونسل کا جو تجربہ ہوا ہے' وہ بھی لیگ آف نیشنز سے بہتر ہونے کے بجائے اس سے کہیں زیادہ ناکام ثابت ہوا ہے۔ اسرائیل اور چند دوسرے ممالک جس طریقے سے ان اداروں کے متفقہ فیصلوں کو بھی DEFY کرتے ہیں اور ٹھوکر مار دیتے ہیں' ان سے پوچھنے اور ان کے خلاف کوئی مؤثر اقدام کرنے کے لئے نہ سلامتی کونسل آمادہ ہے اور نہ UNO کا پورا ادارہ..... عالمی سطح پر یہ جو ناکامیاں (FAILURES) ہیں اور یہ جو پیچیدگیاں ہیں' ان کا سبب یہی ہے کہ وہ فکر موجود نہیں ہے جو انسان کو انسان کے قریب لا سکے۔ نوعِ انسانی کی یہی ضرورت ہے جو یہ آیتِ مبارکہ پوری کر رہی ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ.....

اب میں کیا مرثیہ کہوں اور کیا ماتم کروں کہ جن کے پاس یہ دولت ہے' اُن کے اپنے افلاس کا حال یہ ہے کہ وہ خود ہی منقسم ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

یوں تو سیّد بھی ہو' مرزا بھی ہو' افغان بھی ہو
تم بھی کچھ ہو' بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ہم پر ویسٹرن امپیریلزم کا جو سب سے بڑا کاری وار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ علاقائی نیشنلزم کے ہلاکت خیز جراثیم انہوں نے ہمارے اندر بھی پیدا کر دیئے۔ مثال کے طور پر عربوں کے حالِ زار پر ایک نگاہ ڈال لیجئے۔ ویسٹرن امپیریلزم نے عربوں میں علاقائی اور وطنی زہر کے جرثومے اس طور پر INJECT کئے ہیں کہ مصریوں کے لئے اب یہ بات بنائے فخر ہے کہ وہ مصری ہیں۔ شامیوں کے لئے بنائے فخریہ نعرہ بن گیا کہ وہ شامی ہیں۔ یہی حال عراق' سعودی عرب اور یمن کا ہے۔ وقس علی هذا..... ایک قوم' ایک زبان بولنے والے' اکثر و بیشتر نسل ایک' عظیم ترین اکثریت کا دین ایک' لیکن علاقائی نیشنلزم (TERRITORI-AL NATIONALISM) کی جو تنگ گھاٹیاں بنا کر یورپی استعمار نے ان کو چھوڑا تھا تو وہ اس سے نکل نہیں پا رہے اور یہی ہماری ذلّت و رسوائی اور نکبت و مسکنت کا اصل سبب ہے۔ کاش! ہم مسلمان خود اپنے معالجہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس آیتِ مبارکہ کو اپنے لئے روشنی کا ایک مینار بنالیں۔ پہلے ہم خود وحدتِ الٰہ و وحدتِ آدم یعنی وحدتِ انسانی کی بنیاد پر ایک ملت بن جائیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

ہم اگر دنیا کو یہ نقشہ دکھلا دیں تو بقیہ نوعِ انسانی کو بھی رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔

آج اسی ایک آیتِ مبارکہ کے بیان پر اکتفا کیجئے۔ آج کے بیان کے ضمن میں کوئی سوال یا اشکال ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال..... ڈاکٹر صاحب! مسلمان سب سے زیادہ علاقائی اور وطنی قومیت اور تقسیم کا شکار رہے ہیں اس کا آپ نے تجزیہ تو کیا لیکن اس پر روشنی نہیں ڈالی کہ اس کی وجوہات کیا ہیں؟

جواب..... مجھے آپ کی اس بات سے اختلاف ہے کہ اس تقسیم کے سب سے زیادہ مسلمان شکار رہے ہیں۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے اور نہ ایسا کوئی تجزیہ پیش کیا ہے۔ ہمارے یہاں تو وحدتِ ملّت اتنی مضبوط رہی ہے کہ تاریخ انسانی میں کسی اور قوم اور کسی اور ملّت کے اندر اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس وقت ہمارے یہاں جو تفرقے اور تقسیمیں ہیں وہ تو ماضی قریب میں یورپی استعمار کی ریشہ دوانیوں کا شاخسانہ ہے۔ ورنہ صورتِ حال یہ رہی ہے کہ اگرچہ ممالک جدا جدا ہوتے تھے کہ یہ صفوی حکومت ہے' یہ مغلیہ حکومت ہے' یہ افغانستان کی حکومت ہے۔ یہاں سے سلطنتِ عثمانیہ کی سرحدیں شروع ہو گئی ہیں۔ لیکن ان سب کی حیثیت ADMINISTRATIVE UNIONS کی تھی۔ ایک مسلمان ہر مسلم ملک کا شہری شمار ہوتا تھا۔ کسی سے پوچھا نہیں جاتا تھا کہ تمہاری نیشنلٹی کیا ہے اور تمہارے پاس پاسپورٹ کہاں کا ہے! تمام عالم اسلام کی شہریت ہر مسلمان کو حاصل تھی۔ یہ تو جیسا کہ میں نے اپنی گفتگو کے دوران عرض کیا تھا کہ ویسٹرن امپیریلزم نے ہم پر جو کاری وار لگائے ہیں یہ اس کا شاخسانہ ہے اور اس کا سلسلہ انیسویں صدی کے نصف سے شروع ہوا اور بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں انتہاء کو پہنچا۔ پہلی جنگ عظیم میں عربوں کی عربیت کو بھڑکا کر ترکوں کے خلاف بغاوت کرائی گئی۔ اس کے بعد عربوں سے جو وعدے کئے گئے تھے ان کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ تمام معاہدے ریت کے گھروندوں کی طرح بکھیر دیئے گئے اور عربوں کو تقسیم کر دیا گیا۔ ویسٹرن استعمار کے یہ ہتھکنڈے اور یہ سازشیں تا حال جاری ہیں کہ عرب متحد نہ ہونے پائیں۔ یہ اسی کے زخم ہیں جو تا حال ہمارے جسدِ ملّی میں رس رہے ہیں۔ ہمیں ان زخموں کو

بھرنا ہوگا۔ اس کا اصل سبب ہے اپنے دین سے دوری' قرآن مجید سے بُعد' تعلق مع اللہ میں ضعف' ایمان بالآخرت میں اضمحلال۔ اگر ہم اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کریں گے۔ حبل اللہ یعنی قرآن مجید کو مضبوطی سے تھامیں گے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو اختیار کریں گے تو قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہمارے لئے بمنزلہ مرکز ہے۔ حضورؐ کے اتباع کو ہم جتنا لازم کرتے چلے جائیں گے اتنا ہی مرکز سے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ ملت مسلمہ کے موجودہ انتشار کا اصل سبب دین سے دوری' قرآن حکیم سے بُعد اور اللہ تعالیٰ سے تعلّق میں ضعف ہے لہٰذا اس کا علاج اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلّق کو مضبوط بنانا ہے اور اس حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنا ہے اور ع "بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست" کے مصداق خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک پہنچانا ہے۔

حضرات! آج بہت اہم باتیں سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۳ کے مطالعے اور اس پر تدبر کے نتیجہ میں ہمارے سامنے آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے ہمارے ذہنوں اور ہمارے دلوں کو کھول دے اور ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم پہلے مسلمانوں کے اندر اس تعلیم کا ایک نمونہ عملاً پیش کریں تاکہ پھر پوری نوعِ انسانی کے لئے رہنمائی اور ہدایت کا چراغ روشن کر سکیں۔

واخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

ڈاکٹر اسرار احمد
کی تالیف
استحکامِ پاکستان

قیمت: مجلد -/۴۰ روپے، غیر مجلد -/۲۵ روپے

قریبی بک سٹال سے طلب کریں یا براہ راست درج ذیل پتہ پر لکھیں

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن
فون: ۸۵۶۰۰۳

پاکستان کیوں بنا ــــ کیسے بنا
پاکستان کیوں ٹوٹا ــــ کیسے ٹوٹا
اب ٹوٹا تو ----
پاکستان کی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ
اندھیروں میں اُمید کی ایک کرن
لفظ لفظ میں ــــ وطن کی محبت
سطر سطر میں ــــ ایمان کی چاشنی
عمل کا پیغام ----

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

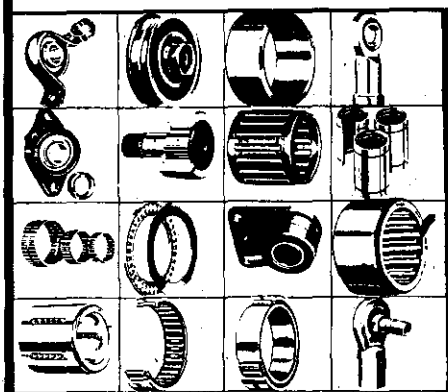

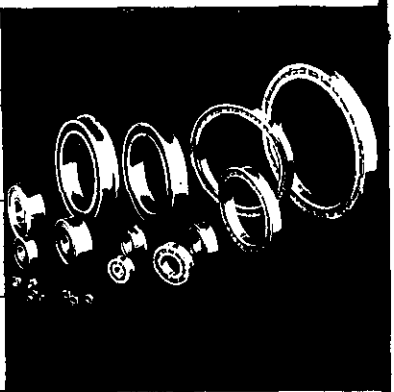

PRODUCTS

DISTRIBUTOR

ROD KBC EZO

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

STOCKIST

FAG TR NACHI Koyo NSK INA SKF NTN

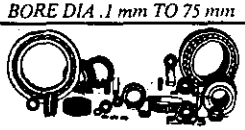

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

خطاب جمعہ

ڈاکٹر اسرار احمد

ملکی و بیرونی حالات کا ایک جائزہ

اور

بھارت کی ثقافتی یلغار کے سدِّباب کا قرآنی طریقہ

خطبہ مسنونہ ' سورۃ العلق کی ابتدائی آٹھ آیات کی تلاوت اور ادعیہ مسنونہ و ماثورہ کے بعد فرمایا:

حضرات! میری آج کی گفتگو کی ترتیب اس طرح ہو گی کہ میں ابتداء میں ملک کے سیاسی حالات کے متعلق چند امور پر اظہارِ خیال کروں گا اور پھر آخر میں سورۃ العلق کی اُن ابتدائی آٹھ آیات کے حوالے سے کچھ گفتگو ہو گی ' جن کے بارے میں پچھلے جمعہ کو الحمدللہ بڑی مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آج کی یہ دونوں گفتگوئیں مل کر گذشتہ جمعہ کی گفتگو کا تکملہ و تتمّہ بنیں گی اور انشاءاللہ ان میں آپ کو باہمی ربط نظر آئے گا۔

ملکی حالات کا جائزہ

ملکی حالات کے بارے میں ظاہر بات ہے کہ ہمیں پہلے اپنے اندرونی معاملات کا جائزہ لینا ہے اس لئے کہ ہر باشعور شخص یہ محسوس کر رہا ہے کہ حالات پھر بڑی تیزی کے ساتھ مخدوش ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ الیکشن کی گہما گہمی کے بعد ایک تھوڑی مدت کا وقفہ ایسا آیا تھا کہ ایک امید افزا صورت نظر آئی تھی۔ یقیناً اب بھی بعض پہلوؤں سے جمہوریت کی بحالی کے کچھ اچھے اثرات برقرار بھی ہیں ' جن کی طرف میں آگے چل کر اشارہ کروں گا۔ لیکن بحیثیت مجموعی جائزہ لیا جائے تو اس وقت حالات پھر بڑے دگرگوں نظر آ رہے ہیں۔ نہ صرف اندرونی و داخلی بلکہ بیرونی بھی۔

بلوچستان ـــــ پُرسکون صورتِ حال

حیران کن بات یہ ہے کہ اس وقت ہمارے ملک کا جو سب سے زیادہ پرسکون صوبہ ہے' وہ صوبہ بلوچستان ہے۔ وہاں اس وقت تک کوئی بحران (CRISIS) نہیں ہے۔ ایک مخلوط حکومت ہے اور وہ وہاں ہمواری سے چل رہی ہے اگرچہ اس کے بارے میں بھی اندیشہ موجود ہے' چونکہ جے یو آئی اور بی این اے یعنی جمعیت علمائے اسلام (مولانا فضل الرحمٰن گروپ) اور بلوچستان نیشنل الائنس کے مابین ایک خاص معاملے میں شدید اختلاف ہی نہیں' بلکہ شدید تضاد ہے اور وہ ہے جہاد افغانستان کا معاملہ..... اس معاملہ میں ان دونوں کے درمیان نظریاتی و عملی طور پر کافی بُعد اور تضاد ہے۔ "ہفت روزہ ندا" کے تازہ شمارے (۲۱ مارچ ۸۹ء) میں جمعیت علمائے اسلام (فضل الرحمٰن گروپ) کے ایک ممتاز رہنما اور بلوچستان کی مخلوط کابینہ کے ایک وزیر حافظ حسین احمد صاحب کا ایک مفصل انٹرویو آیا ہے۔ حافظ صاحب حال ہی میں بلوچستان کی سطح پر ایک بہت نمایاں دینی اور سیاسی شخصیت کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ ان کے والد ماجد مولانا عرض محمد مرحوم سے جو بلوچستان کی ایک ممتاز دینی شخصیت تھے' میری چند ملاقاتیں ۶۷ء میں رہی ہیں جب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی سرکردگی میں "تنظیم اسلامی" کے نام سے ایک ہیئتِ اجتماعیہ کے قیام کی کوشش ہوئی تھی اور میں مولانا اصلاحی کا ہم سفر تھا۔ اس وقت تو یہ تنظیم قائم نہیں ہو سکی البتہ بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے ۷۵ء میں یہ تنظیم میری دعوت پر تشکیل پائی اور بحمداللہ اپنی بساط کے مطابق وہ کسی نہ کسی درجے میں پاکستان میں اقامتِ دین کی انقلابی نہج پر جدّوجہد کر رہی ہے تو ۶۷ء میں مولانا عرض محمد مرحوم و مغفور کوئٹہ سے سفر کر کے سکھر صرف اس مجوّزہ تنظیم کے متعلق گفتگو کرنے تشریف لائے تھے۔ مرحوم بہت ہی سنجیدہ' متین اور نہایت ہی وسیع القلب عالم دین تھے۔ حافظ حسین احمد صاحب نے اپنے انٹرویو میں اپنے والد مرحوم کے کاموں کا تعارف تو کرایا ہے لیکن نام بیان نہیں کیا۔ مجھے دو تین دن قبل ہی معلوم ہوا ہے کہ حافظ صاحب مولانا عرض محمد مرحوم کے صاحب زادے ہیں' اس اعتبار سے میں ان سے ایک دلی قرب محسوس کرتا ہوں' اگرچہ تاحال میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ بہرحال اس انٹرویو میں انہوں نے کہا ہے کہ اگر جہادِ افغانستان کے مسئلہ پر حکومت بلوچستان کی سطح پر کوئی اختلاف ہوا تو ہم ڈٹ کر بگتی صاحب کا مقابلہ کریں گے اور اپنے موقف پر قائم رہیں گے کہ جہادِ افغانستان صرف افغانستان ہی کا نہیں بلکہ عالم اسلام کا جہاد ہے اور صرف اسلامی جذبے

کے تحت ہم اس کے حامی ہیں۔ بگٹی صاحب سے ہمارا معاہدہ ہے کہ وہ افغان جہاد کی مخالفت نہیں کریں گے' وہاں کے اندرونی معاملات میں روسی اور امریکی دونوں کو عدم مداخلت کا رویہ اختیار کرنے اور روسی فوجوں کی واپسی پر زور دیں گے اور دونوں ملک وہاں کے اندرونی مسئلہ کو افغان نمائندوں پر چھوڑ دیں گے۔ اب بگٹی صاحب اس معاہدے پر کس حد تک کاربند رہتے ہیں یہ آگے کا معاملہ ہے۔ چنانچہ ایک یہ خطرہ تو ہے کہ اس ISSUE کا ان دونوں کے اتحاد پر کوئی منفی اثر پڑے..... اللہ کرے ایسا کوئی مرحلہ نہ آئے اور یہ صوبائی حکومت ہمواری سے چلتی رہے۔ رہا افغانستان کا اندرونی مسئلہ تو میں جب آگے بیرونی معاملات پر گفتگو کروں گا تو افغان جہاد جس نازک مرحلہ تک پہنچا ہوا ہے اس کے متعلق قدرے تفصیل سے حالات کا تجزیہ پیش کروں گا۔

سندھ ـــــ تشویش ناک اندیشے

اب صوبہ سندھ کی طرف آیئے تو اگرچہ وہاں بھی ایک مخلوط حکومت ہے لیکن اس مخلوط حکومت کا معاملہ دگرگوں نظر آرہا ہے۔ چنانچہ "ندا" کے اسی تازہ شمارے میں ایک تجزیہ شامل ہے کہ وہاں ایم کیو ایم کسی وقت اچانک فیصلہ کر سکتی ہے کہ وہ اس کولیشن کو ختم کر کے حزبِ اختلاف کی صورت اختیار کر لے۔ سندھ کی حد تک اس کولیشن کے ٹوٹنے سے کوئی بڑا بحران پیدا نہیں ہو گا چونکہ پیپلز پارٹی وہاں بہت بڑی اکثریت میں ہے لیکن یہ جو دو متحارب گروہوں یا لسانی قومیتوں کی تقسیم ہے' اس کے اعتبار سے معاملہ درحقیقت مخلوط حکومت کے ٹوٹنے کا نہیں ہو گا بلکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان میں باہمی مفاہمت اور اتحاد کا جو امکان نظر آیا تھا اُسے شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ وہاں قدیم سندھیوں میں جدید سندھیوں یعنی مہاجروں کے خلاف کچھ تو ہماری بے تدبیریوں کے باعث اور کچھ جمہوریت کی گاڑی روک دینے اور پے در پے مارشل لاء کے نفاذ نے ایک شدید احساسِ محرومی پیدا کر دیا ہے جس کے اہداف مہاجر بھی بنے ہیں اور پنجابی بھی..... پھر انہی بے تدبیریوں کے سبب سے نئے سندھی جو تقسیم کے بعد صوبہ سندھ خاص طور پر کراچی میں آباد ہوئے ہیں وہ اب پانچویں یعنی مہاجر قومیت ہونے کے مدّعی ہیں تو ان قدیم اور جدید سندھیوں میں شدید اختلافات ہیں' حتیٰ کہ ان میں کئی بار شدید تصادم بھی ہو چکا ہے یہ چنگاری اب بھی موجود ہے۔ ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ مخلوط حکومت رہے یا نہ رہے' لیکن ان دو گروہوں میں صوبہ کی سطح پر مفاہمت اور بھائی چارے کی فضا برقرار رہے اور مخلوط حکومت کا ٹوٹنا امن و امان کے بگاڑ کا سبب نہ بنے۔

ایم کیوایم کو شکایت ہے کہ اتحاد کا جو معاہدہ ہوا تھا سندھ اور مرکزی حکومت کی طرف سے اس کی کسی درجے میں بھی رعایت نہیں کی جارہی ہے۔ اگر خدانخواستہ ان دونوں گروہوں میں محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہو گیا تو اس کے نتائج بڑے خوفناک ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ انتہائی منظم ہیں۔ ایم کیوایم کا منظم ہونا تو الیکشن میں ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے قریباً تمام امیدوار اسی اسی اور نوّے نوّے ہزار ووٹوں کی برتری سے صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے الیکشن جیتے ہیں چنانچہ مفاہمت کے ختم ہونے کے اندیشے کی خبریں انتہائی تشویش ناک ہیں۔

دوسری طرف اندرونِ سندھ سندھی نیشنلزم کے پرستار جو انتہاپسند لوگ ہیں' ان کے متعلق میں نے گذشتہ جمعہ کو عرض کیا تھا کہ انہوں نے الیکشن میں اپنی شکست کو عارضی طور پر قبول کیا تھا۔ وہ اب پورے طور پر جوابی وار کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ اس کے بارے میں حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کا ایک اہم مضمون ۸ر مارچ ۸۹ء کے جنگ میں شائع ہوا ہے اور انہوں نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ علاقائی قومیت کے علمبردار سندھی انتہاپسند جوابی کارروائی کے لئے زور و شور سے تیاریوں میں مصروف ہیں۔ میں تو اندرونِ سندھ سندھی انتہاپسند گروہ میں مہاجرین' پنجاب اور نظریۂ پاکستان کے خلاف جو لاوا پک رہا ہے' اس کے متعلق اپنے مشاہدات کے بارے میں "استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" نامی کتاب میں تفصیل سے تحریر کر چکا ہوں۔ اب وہاں جو بھی حالات سامنے آرہے ہیں وہ میرے تجزیہ کی توثیق و تصدیق اور تائید کر رہے ہیں۔ میں آخری درجے میں بات کہہ چکا ہوں اور اب میرے پاس کہنے کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لیکن حافظ محمد موسیٰ بھٹو سندھی ہیں اور دین کے ساتھ ان کی وابستگی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ بہت ہی مذہبی اور صوفی مزاج شخص اور دانشور ہیں۔ جی ایم سید کا جس طرح انہوں نے فکری محاذ پر مقابلہ کیا ہے اور کر رہے ہیں اس پر واقعہ یہ ہے کہ وہ پوری پاکستانی قوم کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مجھ سے تو ان کو کچھ اختلافات ہیں' وہ اپنی جگہ' لیکن ان کی جو خدمات ہیں وہ بڑی قابلِ قدر ہیں۔ انہوں نے جس طرح سندھی نیشنلزم اور خاص طور پر جی ایم سید کے مخالفِ دین نظریات کی نفی کی ہے اور اُسے جس طرح سندھی عوام کے سامنے ننگا کیا ہے کہ یہ صرف ایک قومی و سیاسی لیڈر نہیں ہے' بلکہ یہ شخص تو دین کی جڑیں کھود رہا ہے' میں سمجھتا ہوں کہ اندرونِ سندھ کے حالات کے پیشِ نظر یہ بڑی جرأت کا کام ہے جو وہ سندھی نیشنلزم کے گڑھ حیدر آباد میں بیٹھ کر کر رہے ہیں۔ میں چاہوں گا کہ آپ سب حضرات ان کے اس مضمون کا ضرور مطالعہ کریں' اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ پنجاب میں مسئلہ سندھ کی گھمبیرتا کا بہت کم لوگوں کو اندازہ ہے۔ میں اپنی سی کوشش

کر چکا ہوں کہ پنجاب کے لوگ سندھ کی صحیح صورتحال کو سمجھیں اور اس کے حل کی طرف توجہ دیں۔ اس کے ضمن میں میرے مضامین روزنامہ جنگ میں شائع ہوتے رہے ہیں' پھر ان کی کتابی شکل میں اشاعت کا انتظام کیا گیا۔ پھر میں نے "مسئلہ سندھ" پر لاہور میں ایک سیمینار منعقد کیا جس میں سندھ کے دانشوروں کو مدعو کیا کہ وہ اپنی شکایات براہِ راست پنجاب کے دانشوروں اور عوام کے سامنے رکھیں تاکہ یہاں کے لوگ سوچیں' ان کو اندازہ ہو جائے کہ سندھ کے حالات کتنے مخدوش ہیں۔ بہرحال یہ دونوں باتیں نہایت تشویش ناک ہیں۔

سرحد ——— نئے گورنر کی تقرری کا مسئلہ

سرحد کی طرف آیئے' وہاں کے متعلق بھی آپ نے اخبارات میں خبریں پڑھ لی ہوں گی کہ وہاں پی پی پی اور اے این پی میں نئے گورنر کے تقرر کے مسئلہ پر شدید اختلاف پیدا ہو گیا ہے' جس کی وجہ سے ان کی مخلوط حکومت کے ٹوٹنے کا شدید اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ اے این پی کا مطالبہ ہے کہ معاہدے کے مطابق گورنر شپ ہماری پارٹی کو ملنی چاہئے پھر اس پارٹی کی ساری ہمدردیاں اور دلچسپیاں نجیب حکومت کے ساتھ رہی ہیں اور اب بھی ہیں۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ افغان مجاہدین کی کامیابیوں سے گیارہ سال تک وہ جس طرح خائف رہے ہیں اور اب ان پر جو بیت رہی ہے وہ کسے معلوم نہیں!۔ ان کے تو سارے خواب پریشان ہو گئے ہیں۔ ان کا پختونستان کا سٹنٹ ختم ہوا۔ سرحد میں سیاسی طور پر ان کا اثر و رسوخ خاصا کم ہوا ہے اور پختونستان کے مسئلہ پر ان کی گرفت نہایت کمزور ہو چکی ہے۔ حالیہ الیکشن میں یہ قومی اسمبلی میں بمشکل تین نشستیں حاصل کر پائے ہیں لیکن صوبہ کی سطح پر انہیں کچھ زیادہ سیٹیں مل گئی ہیں' اس لئے ان کی اہمیت ہے۔ لہٰذا اگر ان کا گورنر کی تقرری کا مطالبہ مانا نہ گیا تو اندیشہ ہے کہ یہ کولیشن گورنمنٹ ٹوٹ جائے گی۔ ایک دو روز ہی میں اس کا نتیجہ ملک کے سامنے آ جائے گا۔ ایک خبر اور آئی ہے جس کو صحیح تسلیم کرنے پر دل آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ خبر یہ ہے کہ اگر یہ مخلوط حکومت ٹوٹ جاتی ہے تو آئی جے آئی تیار ہے کہ اے این پی کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت بنالے۔ اگر یہ خبر کسی درجہ میں بھی صحیح ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ کسی اصول پرستی نام کی کوئی شے کسی طرف بھی نہیں ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ میں اس خبر کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ اگرچہ سیاست میں سب کچھ ہوتا ہے اور عام کہاوت یہی ہے کہ سیاست میں دوستیاں اور دشمنیاں مستقل نہیں ہوتیں' لیکن پھر بھی پی پی پی اور اے این پی کے مابین تو ایک نقطۂ اشتراک موجود ہے۔ وہ یہ کہ پی پی پی بھی بائیں بازو کی طرف رجحان رکھتی ہے اور

اے این پی تو ہے ہی بائیں بازو کی پارٹی۔ ان میں کوئی نہ کوئی نظریاتی ہم آہنگی موجود ہے لیکن آئی جے آئی اور اے این پی کے مابین کوئی نظریاتی ' کوئی اصولی ' کوئی مقاصد کی اور پھر افغان جہاد کے معاملہ میں کوئی ہم آہنگی سرے سے موجود ہی نہیں ہے ' بلکہ شدید ترین بُعد و اختلاف ہے لیکن خدانخواستہ اگر کہیں یہ معاملہ ہوتا ہے تو گویا بے اصولی اور اقتدار پرستی کے حمام میں اگر کسی نے لنگوٹی بھی باندھ رکھی ہے تو وہ بھی اتر جائے گی اور وہ اس حمام میں مادرزاد برہنہ ہو کر رہ جائے گا۔

پنجاب ——— سیاسی شعور اور احساسِ ذمّہ داری میں اضافہ

اب آیئے پنجاب کی طرف..... میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت سب سے زیادہ اطمینان بخش صورتحال پنجاب میں سامنے آئی ہے۔ پنجاب میں یہ جو بہت بڑا واقعہ ہوا ہے ' نواز شریف صاحب کے دوبارہ اعتماد کا ووٹ لینے کا ' اس کے صحیح مضمرات جلد ہی ہمارے سامنے آئیں گے۔ واقفِ حال لوگ اور اخبار بین حضرات جانتے ہیں کہ یہاں پیپلز پارٹی نے صوبائی اسمبلی کے ارکان کی " وفاداریاں " خریدنے کی کتنے بڑے پیمانے پر کوشش کی ہے یہ بات ایک کھلے راز (OPEN SECRET) کی حیثیت میں ہم سب کے سامنے ہے۔ اس کے بارے میں مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس مذموم حرکت میں جس بری طرح ناکامی ہوئی ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت صحت مندانہ علامت اور بہت امید افزا صورت ہے۔ اس صورتحال سے میری رائے میں ہمیں دو اہم نتائج اخذ کرنے چاہئیں۔ ایک تو یہ اس سارے جوڑ توڑ میں جس اناڑی پن کا ثبوت دیا گیا ہے ' دونوں طرف کی نوجوان قیادت نے جس بھونڈے طریقے سے بڑکیں مارنے اور دعوے کرنے کا معاملہ کیا ہے اور اس معاملے میں پیپلز پارٹی یقیناً بہت آگے گئی ہے ' میرے نزدیک یہ سیاسی نابالغی کا مظہر ہے۔ اس لئے کہ مارشل لاء کے تسلسل نے اس قوم کو سیاسی طور پر بالغ ہونے ہی نہیں دیا۔ اس کو یوں سمجھئے جیسے ایک بچہ اس عارضے میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اس کی جسمانی ترقی اور بڑھوتری تو ماہ و سال کی تقویم کے حساب سے ہو رہی ہے اور دس سال عمر ہو گئی ہے ' لیکن عادات و سکنات اور ذہنی سطح کے اعتبار سے وہ تین چار سال کی عمر کے بچے سے آگے بڑھ نہیں پا رہا ہے۔ پس واقعہ یہ ہے کہ پاکستانی قوم بحیثیتِ مجموعی ' اور ان میں پنجابی سب سے زیادہ سیاسی شعور ' سیاسی بیداری ' سیاسی بالیدگی اور سیاسی بلوغت کے اعتبار سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹے صوبوں میں مارشل لاء کے خلاف ایک ردِّ عمل رہا ہے۔ ان صوبوں نے اسے کبھی بھی خوش دلی سے قبول نہیں کیا ہے۔ وہ

ردِّعمل عوامی سطح پر ہوا۔ چنانچہ حقوق کی صدائیں بلند ہوئیں' سیاسی شعور کا اظہار ہوا' چاہے غلط سلط طور طریقوں پر ہوا ہو۔ سیاسی لیڈروں کا ردِّعمل محرومیوں پر احتجاجی صدائیں بلند کرنے کی صورت میں ہوا۔ اعداد و شمار جمع کئے گئے چاہے وہ بیشتر غلط اور مبالغہ آرائی پر مبنی ہوں لیکن ان کی خوب نشر و اشاعت کی گئی کہ فلاں ڈیم کی تعمیر سے کیا مصیبت آ جائے گی' صوبہ سرحد ڈوب جائے گا اور صوبہ سندھ سوکھ جائے گا۔ فلاں مقام پر فوجی چھاؤنی بنانے سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ الغرض چھوٹے صوبوں میں تو محرومیوں کی اور حقوق کی باتیں ہوتی رہیں اور احتجاجی آوازیں اٹھتی رہیں' جمہوریت کی بحالی کے حق میں تنظیمیں بنتی اور صدائے احتجاج بلند کرتی رہیں۔ لہٰذا ان چھوٹے صوبوں میں کچھ سیاسی شعور' کچھ اپنے حقوق کا پاس لحاظ اور ان کی بازیابی کا خیال پروان چڑھا ہے' جبکہ پنجاب میں بڑے صوبے ہونے اور بڑے بھائی ہونے کے اعتبار سے اس سلسلہ میں کوئی آواز نہیں اٹھی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ پنجاب نے مارشل لاء کے تسلسل کے ساتھ سمجھوتہ کر رکھا ہے۔ پھر تاریخی صورتحال یہ بھی رہی کہ پندرہ بیس سال کے عرصے میں یہاں سے کوئی بڑی سیاسی شخصیت افقِ عام پر ظاہر نہیں ہوئی۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ پنجاب نے بڑے ٹیکنو کریٹس' بڑے بیوروکریٹس اور بڑے انٹیلیکچوئیلز دیئے ہیں اور اس صدی کی صرف برعظیم پاک و ہند ہی کی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی سب سے بڑی نابغۂ روزگار شخصیت علامہ اقبال مرحوم پنجاب ہی نے تو دی ہے۔ تو پنجاب نابغہ شخصیات' کاریگر شاہی' نوکر شاہی اور زراعت کے شعبے میں تو کم نہیں رہا لیکن سیاسی میدان میں پنجاب بقیہ صوبوں سے پیچھے رہا ہے..... پھر یہ کہ بقیہ صوبے یہ سمجھتے تھے کہ مارشل لاء کا سب سے زیادہ فائدہ پنجاب کو پہنچ رہا ہے' اس لئے کہ فوج پنجاب کی شمار ہوتی تھی۔ لہٰذا اگر فوج کی حکومت ہے تو چاہے اس سے پنجاب کو کوئی فائدہ پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو' لیکن سمجھا یہی گیا کہ پنجاب کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ بہرحال میری رائے یہ ہے کہ مارشل لاء کی وجہ سے' چاہے وہ صدر ایوب صاحب کا ہو' خواہ یحییٰ خاں کا ہو اور چاہے صدر ضیاء الحق مرحوم کے مارشل لاء کا طویل ترین دور ہو' پنجاب سیاسی شعور کی بالیدگی' پختگی اور بلوغت کے معاملہ میں دوسرے صوبوں کے مقابلے میں پیچھے رہ گیا ہے۔ بہرحال اس زاویۂ نظر سے دیکھا جائے کہ پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت کی طرف سے پنجاب میں آئی جے آئی کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے جو جائز و ناجائز یلغار اور اراکینِ اسمبلی کی وفاداریوں کو دھن اور دھونس سے خریدنے کی جو کوششیں الیکشن کے بعد ہی سے شروع ہو گئی تھیں' وہ سب ناکام ہوئیں تو یہ ایک خوشگوار علامت ہے کہ اب پنجاب میں بھی سیاسی شعور ترقی کر رہا ہے' اسے بھی اپنے حقوق کی حفاظت

کرنے کا احساس ہو رہا ہے اس میں بھی جمہوری اقدار کی پاسداری کا جذبہ بیدار ہو رہا ہے۔ اگر جمہوری و سیاسی عمل تسلسل کے ساتھ چلتا رہے تو امید کی جا سکتی ہے کہ انشاء اللہ سیاسی شعور میں روز افزوں پختگی اور ترقی ہوتی چلی جائے گی۔

پنجاب کی موجودہ صورتحال کا دوسرا نتیجہ میں یہ نکالتا ہوں کہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پنجاب میں جہاں سیاسی شعور پیدا ہو رہا ہے وہاں صوبے کی اسمبلی کے ارکان میں احساسِ ذمہ داری بھی بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ حزبِ اقتدار نے وفاق میں برسراقتدار پارٹی کے دباؤ' لالچ اور فاؤل پلے کی جس طرح مزاحمت کی ہے۔ وہ بھی اس بات کی خوشگوار علامت ہے کہ انہوں نے اپنے رائے دہندگان کی توقعات سے بے وفائی نہیں کی ہے۔ انہیں احساس ہو گیا ہے کہ اگر انہوں نے اس موقع پر کمزوری دکھائی تو آئندہ عام انتخابات میں وہ اپنے رائے دہندگان کا مواجہہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ ملک کے سیاسی مبصّرین اور تجزیہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جہاں دوسرے عوامل ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ ایم پی اے حضرات کو یہ احساس بھی ہو گیا ہے کہ پنجاب کے عوام اب جاگ گئے ہیں اور ہمیں آئندہ ووٹ لینے کے لئے انہی کے پاس جانا ہے اور اب فلور کراسنگ اور وفاداریوں کی فروخت ڈھکی چھپی باتیں نہیں رہیں گی..... بہرحال پنجاب کی صوبائی حکومت کے وزیراعلیٰ نواز شریف کے خلاف جو آپریشن ناکام ہوا ہے' اس سے میں یہ دو نتیجے نکال رہا ہوں کہ یہ جہاں پنجاب کے نمائندگان میں سیاسی شعور کی پختگی کا مظہر ہے وہاں اُن میں اپنے رائے دہندگان کی آراء کی پاسداری کی بھی علامت ہے اور یہ دونوں علامتیں پاکستان کے سیاسی مستقبل کے اعتبار سے بہت خوش آئند ہیں اگرچہ یہ محض خام خیالی ہے کہ آئی جے آئی کی حکومت کو زیروزبر کرنے کی اس کوشش کی ناکامی کے بعد یہ سلسلہ رک جائے گا۔ یہ معاملہ پلٹ پھر چلتا نظر آ رہا ہے۔ جس روز آپریشن کی ناکامی کا ڈراپ سین ہوا ہے' اُسی روز پیپلز پارٹی کے بعض اہم لیڈروں کے بیانات آ گئے کہ کھیل تو ابھی شروع ہوا ہے اور اس نوع کے بیانات کا سلسلہ تاحال چل رہا ہے اور یہ معاملہ اس طرح آسانی سے ختم ہونے والا نظر نہیں آتا۔ پیپلز پارٹی کے لئے یہ بات قبول کرنا کہ ملک کے سب سے بڑے صوبے میں حزبِ اختلاف کی حکومت قائم رہے بڑا مشکل ہے کیونکہ اس پارٹی کی لیڈر شپ بھی ایسے حضرات کے ہاتھ میں ہے جو سیاسی بلوغت اور سیاسی فہم و شعور کی پختگی کے معاملے میں معیارِ مطلوب سے بہت فروتر ہیں۔ البتہ میری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس صورتحال کے نتائج کو سمجھ کر اپنے شعور میں محفوظ رکھنا چاہئے کہ بحالاتِ موجودہ ایک طرف یقیناً ہماری سیاسی نابالغی کا مظہر سامنے آیا ہے تو دوسری طرف اب سیاسی اور جمہوری عمل کے شروع ہونے

سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اب اسمبلی میں لوگ بکاؤ مال نہیں رہے۔ لوگوں کی اکثریت میں اپنی ذمہ داری کا احساس اور اپنے نمائندگان کی آراء کی پاسداری کا جذبہ بھی پیدا ہو رہا ہے اور انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ اب عوام اندھے بہرے نہیں رہے ہیں۔ تھالی کا بینگن اور بکاؤ مال بننے کی صورت میں ہمارا سیاسی مستقبل تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

تحریک مسلم لیگ کے احیاء کی ضرورت

ان سب باتوں کے تناظر میں، آج پھر میں اس بات کا اعادہ کر رہا ہوں جو میں نے پچھلے جمعہ کو عرض کی تھی۔ میں نے وہ مشورہ اپنے دلی خلوص کی گہرائیوں کے ساتھ دیا تھا، اُسی کو آج میں پھر جتنی بھی تاکید کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اُسی تاکید کے ساتھ دوہرا رہا ہوں۔ نواز شریف صاحب کو میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ وزارتِ عُلیا سے مستعفی ہو جائیں۔ اس ملک کے اندر مستقل طور پر جمہوری عمل کے جاری رہنے اور ملک کی سالمیت و بقا کے جو تقاضے ہیں، ان کے اعتبار سے میرا یہ سوچا سمجھا مخلصانہ مشورہ ہے۔ پچھلی مرتبہ میں نے رواروی میں کچھ باتیں عرض کی تھیں اور چونکہ وقت کافی ہو گیا تھا لہٰذا میں اپنی اس رائے کو مدلّل طور پر پیش نہیں کر سکا تھا۔ میں نے اس مسئلہ پر بعد میں برادر عزیز اقتدار احمد مدیر "ندا" سے تفصیلی تبادلہ خیال کیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے میری بات کی صحیح صحیح ترجمانی "ندا" کے تازہ شمارے کے اداریہ میں کر دی ہے۔ اس طویل اداریہ کے مطالعہ سے میرا نقطۂ نظر واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ ویسے میں آپ حضرات کے سامنے بھی اپنی رائے کا سبب بیان کر دیتا ہوں۔ میرے نزدیک پاکستان کی سالمیت، اس کی بقاء اور اس کے استحکام کے دو پہلو ہیں..... ایک فوری نوعیت کی صورت سے متعلق ہے اور دوسرا اس کے مستقبل اور مستقل استحکام سے تعلق رکھتا ہے۔ آخر الذکر معاملہ تو اس ملک میں حقیقی اور واقعی اسلامی انقلاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ لیکن جس بحران سے ہمارا ملک تیس پینتیس سال سے دوچار چلا آ رہا ہے، میں برابر کہتا رہا ہوں کہ اس سے فوری طور پر نکلنے کے لئے ملک میں جمہوریت ضروری ہے۔ میں کئی سال سے کہہ رہا ہوں کہ ملک میں سیاسی گاڑی چلنی چاہئے، جمہوریت بحال ہونی چاہئے، انتخابات ہونے چاہئیں، ورنہ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ الیکشن ہو گئے اور وہ بھی خوش اسلوبی اور بغیر کسی دنگا فساد کے ہو گئے۔ پوری دنیا میں ملک کا وقار اونچا ہو گیا۔ ملک کی عدلیہ نے بھی اپنے بہت سے دھبّے دھو دیئے۔

الیکشن کمیشن نے بھی دنیا بھر سے سرخروئی حاصل کرلی۔ فوج کے ماتھے پر جو کلنک کا ٹیکہ تھا اسے اس نے..... میں سمجھتا ہوں کہ..... اسی طرح دھو دیا ہے' جس طرح مصری فوج نے اپنے ماتھے پر ۶۷ء کی جنگ میں لگا ہوا کلنک کا ٹیکہ ۷۳ء کی رمضان جنگ میں دھو دیا تھا۔ ہمارے عوام اور سیاست دانوں کی طرف سے فوج پر یہ الزام آتا رہا ہے کہ وہ ملک میں جمہوری عمل کے جاری رہنے میں رکاوٹ بنتی رہی ہے۔ تو فوج نے صدر ضیاء الحق مرحوم کی اچانک وفات سے ملک میں جو بحرانی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی' اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے' جبکہ اس کا جواز بھی موجود تھا' ملک کے دستور کی پاسداری کرتے ہوئے اقتدار کی گاڑی کو سیاست کی پٹڑی پر چلانے میں اپنا مثبت کردار بھرپور طور پر ادا کر کے اپنے دامن پر بدنامی کا کوئی مزید داغ لگوانے سے احتراز کیا۔ اس اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے.....

لیکن اس جمہوریت کا ایک لازمی تقاضا ہے' جس پر میں کئی بار اظہارِ خیال کر چکا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ تحریک مسلم لیگ کا احیاء لازمی ہے۔ مسلم لیگ جو اس ملک کی ماں ہے' مسلم لیگ کہ جس کے نام میں لفظِ "مسلم" ہے جبکہ پیپلز پارٹی کے نام میں مسلم نہیں ہے' وہ تو 'پاکستان پیپلز پارٹی' ہے' جیسے میں کہتا رہا ہوں کہ پی این اے کا اپنے نام کے اعتبار سے دین سے کوئی تعلق نہیں تھا' وہ تو 'پاکستان نیشنل الائنس' تھا یعنی 'پاکستان قومی اتحاد' ..... بعد میں جب تحریک چلانے اور عوام سے قربانی لینے کا مرحلہ آیا تو اسے "تحریکِ نظامِ مصطفیٰ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ موسوم کیا گیا۔ جس طرح 'پاکستان قومی اتحاد' کے نام کے ساتھ اسلام یا مسلم کا کوئی سابقہ و لاحقہ موجود نہیں تھا' اسی طرح 'پاکستان پیپلز پارٹی' کے نام کے ساتھ اسلام یا مسلم کا کوئی سابقہ ولاحقہ موجود نہیں ہے۔ تو مسلم لیگ پاکستان کی ماں بھی ہے اور سیاسی سطح پر یہی ایک جماعت ہے جو اس نظریئے کی علمبردار بن کر سامنے آسکتی ہے' جس نظریہ پر پاکستان بنا تھا۔ اسے آپ "دو قومی نظریہ" کی تحریک کہیں' مسلم قومیت کی تحریک کہیں' جو نام بھی دیں' اس کی علمبردار بن کر وہی پارٹی آسکتی ہے جس نے اس تحریک کو غیر منقسم ہندوستان میں برپا کیا تھا۔ اس تناظر میں پاکستان کے مستقبل کے لئے بہت ہی ضروری اور لازمی تقاضا ہے کہ اس تحریک کا احیاء ہو۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس تحریک کے احیاء کا مطلب کیا ہے! عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ کوئی جماعت جب حکومت میں آتی ہے تو اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ جماعت تو درحقیقت وہ اس وقت ہوتی ہے جب وہ عوامی جدّوجہد اور عوامی حمایت سے ابھر کر آرہی ہو' عوامی سطح پر ایک مضبوط درخت کی طرح اس کی جڑیں گہرائی میں قائم ہوں اور اس کی شاخیں دور دور تک

پھیلی ہوئی ہوں۔ حکومت میں پہنچنے کے بعد تو بڑی سے بڑی پارٹی میں زوال آجاتا ہے۔ میں نے یہ بات مدیر "ندا" سے کہی تھی' انہوں نے اپنے تازہ اداریہ میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ کانگریس کے ساتھ بھی یہ حادثہ پیش آیا تھا' حالانکہ اس سے زیادہ عوامی جماعت اور کونسی ہوگی۔ لیکن حکومت میں آنے کے بعد وہ زوال سے دوچار ہو رہی تھی۔ ابتداء میں تو کانگریس میں پنڈت جواہر لال نہرو جیسی بڑی عظیم شخصیتیں موجود تھیں' جس کی پوری زندگی کانگریس کی خدمت میں لگی ہوئی تھی' لیکن نہرو کے بعد کانگریس میں تیزی کے ساتھ زوال آنا شروع ہوا۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ اس وقت 'کامراج پلان' اختیار کیا گیا کہ چوٹی کے قائدین حکومت کے عہدے چھوڑ کر پارٹی کے عہدے سنبھالیں اور پارٹی کو منظم کریں۔ چنانچہ اس طور پر کانگریس کا دوبارہ احیاء اور اس کی تجدید نو ہوئی۔ اس کے لئے لازمی شرط یہ رکھی گئی کہ حکومت میں شامل لوگوں کے پاس پارٹی کے عہدے نہیں رہیں گے۔ حکومت کے عہدیداروں کو تو یہ پڑی رہتی ہے کہ یہ مینڈک پھدک رہا ہے' اسے سنبھالنا ہے اور وہ رسّی تڑا کر بھاگنا چاہ رہا ہے اسے پکڑنا ہے۔ وہ تو ظاہر بات ہے کہ زیادہ تر اسی مخمصے میں گرفتار رہیں گے۔ خود جوڑ توڑ کریں گے یا جو جوڑ توڑ انکے خلاف ہو رہا ہو اسے روکنے اور اس کا جواب دینے کی فکر کریں گے۔ پھر یہ کہ ملکی اور بین الاقوامی مسائل ان کی دن رات کی توجہ کے متقاضی ہوتے ہیں۔ پارٹی کو صحیح طور پر منظم کرنا اور منظم رکھنا ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر مسلم لیگ کو متحرک و فعّال جماعت بنانا ہے' اسے عوام میں مقبول کر کے ایک عوامی جماعت بنانا ہے تو یہ لازمی ہے کہ پارٹی کے اعلیٰ عہدے ایسے حضرات کے پاس ہوں جو حکومت میں نہ ہوں۔ پیپلز پارٹی کے بارے میں کُل ایک ہی بات میں نے کہی تھی جس کا دوستوں کو شکوہ ہے کہ گیارہ برس حکومت سے باہر رہ کر اور ایک طرح کے تشدّد کا نشانہ بننے کے باوجود اس پارٹی نے اپنا وجود برقرار رکھا تو اس نے ثابت کر دیا کہ وہ ایک عوامی پارٹی ہے۔ اس نے QUALIFY کیا ہے کہ اسے ایک عوامی سیاسی پارٹی مانا جائے۔ وہی بات میں آج کہہ رہا ہوں کہ اس وقت پنجاب میں نواز شریف صاحب نے QUALIFY کیا ہے کہ ان میں صلاحیت ہے' استعداد ہے' محنت کا مادہ ہے' فہم و تدبّر ہے۔ یہ تمام صلاحیتیں وہ ہیں جو کسی پارٹی کو منظم کرنے اور اُسے عوامی سطح پر لانے کے لئے درکار ہوتی ہیں اور ملک گیر پیمانے پر کوئی شخص اگر ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر مسلم لیگ کو از سرِ نو منظم کر لے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ شخص کُل پاکستان سطح پر ملک کا مقبول ترین لیڈر بن سکتا ہے۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ اس وقت نواز شریف صاحب جن میں یہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں' یہ ذاتی ایثار قبول کر لیں' جیسے کتنے ہی

کانگریسی لیڈروں نے " کامراج پلان " کے تحت بھارت میں کیا تھا۔ نواز شریف صاحب صوبے کی حکومت کو چھوڑ کر اگر مسلم لیگ کو از سرِ نو منظم کرنے اور اُسے عوامی سطح پر ایک مقبول و مضبوط پارٹی بنانے میں اپنی صلاحیتیں لگائیں تو ان کی یہ قربانی نظریۂ پاکستان کے تحفظ اور ملک کے استحکام میں بڑا مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ صوبے میں آئی جے آئی اور اس کے حامیوں کی واضح اکثریت موجود ہے لہٰذا اسی کے کسی باصلاحیت اور معتمد علیہ شخص کو وزارتِ علیا کا منصب سنبھالنے کی ذمہ داری سپرد کر دی جائے کہ وہ اپنی حکومت تشکیل دے۔ اس طرح فوری طور پر وہ کھچاؤ بھی جو اصولی سے زیادہ شخصی بن گیا ہے' کافی حد تک ختم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ہمارے یہاں بدقسمتی سے شخصی و ذاتی نوعیت کے اختلافات بسا اوقات بڑی گھمبیر صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ بھی ہماری سیاسی نابالغی کا ایک مظہر ہے کہ اختلافات کو ذاتی و شخصی بنا لیا جاتا ہے۔ بہرحال اس طرح یہ کھچاؤ اور TENSION بھی کم ہو سکتا ہے اور نواز شریف صاحب مسلم لیگ کو از سرِ نو منظم کرنے کے لئے ایک نہایت قیمتی سرمایہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ مصالح ہیں جن کے پیشِ نظر میں نواز شریف صاحب کو صوبہ کی وزارتِ عُلیا سے دست کش ہونے کا مشورہ دے رہا ہوں۔

پھر یہ کہ انہوں نے اسمبلی سے بھاری اکثریت سے اعتماد حاصل کر کے ایک بڑی فتح حاصل کر لی ہے۔ اس صورت میں ان کے لئے کہیں کوئی سبکی کی بات نہیں ہے۔ اس صورت حال کے تناظر میں مجھے علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آ رہا ہے۔ ؎

موسم اچھا' پانی وافر' مٹی بھی زرخیز
جس نے پھر بھی کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان!

تو یہ موسم بہت اچھا ہے' حکومت ان کے پاس ہے' بہت بڑی فتح انہوں نے حاصل کی ہے۔ اس صورت حال میں اگر وہ وزارت سے دست بردار ہوتے ہیں تو یہ ان کے عزّت و وقار کو بڑھانے والا اقدام ہو گا اور مسلم لیگی ذہن رکھنے والے اور نظریۂ پاکستان سے محبت رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں وہ اپنے لئے قلبی محبت اور بڑی قدر و منزلت کے جذبات پائیں گے' جن کی تا حال پاکستان میں بڑی عظیم اکثریت موجود ہے۔ کمی اگر ہے تو یہ ہے کہ ان کو منظم کرنے اور ان کے جذبات کو زبان دینے والی کوئی باصلاحیت شخصیت موجود نہیں ہے۔ وہ ان سب کے دلوں کو فتح کر لیں گے اور مسلم لیگ کو حقیقی معنوں میں نظریۂ پاکستان کے تحفظ اور استحکام کے لئے فعّال و متحرک پارٹی بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور سیاسی میدان میں ہر اس پارٹی کو جلد ہی ناک آؤٹ کر دیں گے جو نظریۂ پاکستان سے کوئی حقیقی و واقعی وابستگی نہیں رکھتی۔

آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ میں نے گزشتہ جمعہ کو یہ بھی عرض کیا تھا کہ نواز شریف صاحب کے پاکستان کے مذہبی و دینی عناصر سے بھی خوشگوار تعلقات ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید یہ اس وقت واحد خاندان ہے جس کا ربط و تعلق دیوبندی علماء سے بھی ہے اور بریلوی علماء سے بھی۔ تقسیم ہند سے قبل مسلم لیگ میں دونوں مکاتبِ فکر کے علماء شامل ہو گئے تھے۔ دیوبندی حلقے سے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ اور بہت سے نامور علماء' بریلوی مکتب فکر سے مولانا عبدالحامد بدایونیؒ اور بہت سے نامور علماء اور پیر مانکی شریفؒ اور بہت سے مشائخ مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے بلکہ آخری دور میں مکتب اہل حدیث کی نامور شخصیت مولانا داؤد غزنویؒ بھی مسلم لیگ میں آ گئے تھے۔ چنانچہ اِس وقت بھی پاکستان میں علماءِ کرام اور دینی جماعتوں میں سے جو سیاسی مزاج رکھنے والے عناصر موجود ہیں اور جو سیاسی میدان میں کام کر رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں' چونکہ یہ اجتماعی زندگی کا اہم ترین شعبہ ہے' اس میں حصّہ لینا کوئی حرام تو نہیں ہے' میں یہ سمجھتا ہوں کہ نواز شریف صاحب ان سب کو کھینچ کر مسلم لیگ میں لا سکتے ہیں۔ متحدہ محاذ یا انتخابی اتحاد کبھی مستحکم حکومت نہیں چلا سکتے۔ یہ تو کسی بھی نازک مرحلے پر ٹوٹ سکتے ہیں۔ جیسے اس وقت تین صوبوں میں مخلوط حکومتوں کے سر پر جو تلوار لٹک رہی ہے' وہ سب کے سامنے ہے۔ مستحکم حکومت کے لئے اصل چیز یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک مضبوط سیاسی جماعت کے نمائندوں کے ہاتھ میں ہو' جو منظم ہو اور جس کی پشت پر عوام کی اکثریت کی حمایت کی طاقت موجود ہو۔

پس یہ ہیں میرے موقف کے حق میں دلائل اور اس کے متوقّع نتائج جس کے پیش نظر میں یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ اگر نواز شریف صاحب وقتی چیزوں کے بجائے پائیدار اور دُور رس فوائد کو سامنے رکھیں گے تو وہ انشاء اللہ میرے اس مشورے کو بہت صائب پائیں گے اور اسے قابلِ قبول سمجھیں گے..... میں آخری بات کے طور پر دو حوالے دے رہا ہوں۔ ایک حوالہ تو اتنا اونچا ہے' اتنا ارفع و اعلیٰ ہے کہ ان معاملات کے ضمن میں اس کا ذکر کرتے ہوئے بھی ہچکچا رہا ہوں۔ لیکن ہمارے لئے آئیڈیل اور اسوہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں..... میں صلح حدیبیہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دب کر ایسی شرائط پر صلح فرمائی کہ مسلمانوں کے اذہان و قلوب ان کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ وہ نہایت مضطرب تھے کہ ایسی شرائط پر جو یکطرفہ اور دب کر کی جا رہی ہیں صلح کیوں کی جا رہی ہے۔ حضرت علیؓ بھی کہہ رہے ہیں کہ صلح نامہ سے میں تو آپؐ کا نامِ نامی اسمِ گرامی نہیں مٹا سکتا۔ حضرت عمرؓ نہایت اضطراب کی حالت میں کہہ رہے ہیں کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں..... پھر ہم

دب کر صلح کیوں کر رہے ہیں!..... الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "بظاہر" .....
(میرے ان الفاظ کو خاص طور پر نوٹ کیجئے) ..... دب کر ایسی شرائط پر صلح فرمائی کہ صدیق اکبرؓ کے سوا تمام صحابہ کرامؓ اس پر مضطرب و پریشان تھے..... لیکن آپ کو معلوم ہے کہ حدیبیہ سے مدینہ منورہ کی واپسی کے دوران وحی نازل ہوئی..... اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ○ ..... اس صلح کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار فرمایا..... تو دور رس نتائج اور ہوتے ہیں' فوری باتیں اور ہوتی ہیں..... اور جن لوگوں میں دُور کی سوچ ہو' انہیں درحقیقت دُور کی سوچنی چاہئے اور دور رس بہتر نتائج کے لئے فوری طور پر تھوڑا سا دب جانا پڑے یا وقتی طور پر تھوڑی سی سبکی برداشت کرنی پڑے تو ایک مدبّر قائد کو اس کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔

دوسری مثال میں تحریک پاکستان کی تاریخ سے لا رہا ہوں..... قیام پاکستان سے قبل حالات ایسے نظر آ رہے تھے کہ انگریز اس بات پر تُلا نظر آ رہا تھا کہ اگر کانگریس اور مسلم لیگ میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا تو وہ یکطرفہ طور پر کانگریس کو اقتدار منتقل کر کے اس برّعظیم سے رخصت ہو جائے گا۔ حالات کی یہ سنگینی تھی جس کے تحت قائداعظم مرحوم نے 'کیبنٹ مشن پلان' منظور کر لیا تھا۔ یہ ان کے لئے بڑا سخت امتحان تھا۔ اس کے صاف معنی تھے کہ "آزاد و خود مختار پاکستان" کے مطالبے سے دست برداری..... ہندو پریس میں خوب تالیاں بجیں' خوب مذاق اڑا کہ بس یہی کچھ دم خم تھا۔ ! کہاں گیا پاکستان! کیبنٹ مشن پلان کے مطابق تو تین زون بننے تھے اور مرکزی حکومت ایک ہی بننی تھی۔ دس سال کے بعد ہر زون کو اپنے طور پر یہ طے کرنا تھا کہ وہ مرکز کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا علیٰحدہ ہونا چاہتا ہے۔ اور اس کے فیصلے کا اختیار مرکز کے ہاتھ میں رہنا تھا۔ اور مسٹر جناح نے اسے مان لیا..... آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت قائداعظم کا ذرا سا پیچھے ہٹنا کتنا دور رس ثابت ہوا۔ میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ وہ کوئی شکست نہیں تھی بلکہ قائداعظم کی بصیرت کا شاہکار تھا کہ انہوں نے کیبنٹ مشن پلان قبول کر لیا۔ لیکن ان کی کیفیت یہ تھی کہ جیسے کوئی گھات میں بیٹھا ہوتا ہے۔ جیسے ہی پنڈت نہرو (جو اس وقت کانگریس کے صدر تھے) کا بیان آیا کہ "دس سال بعد کون کسی کو الگ ہونے دیتا ہے"۔ قائداعظم نے فوراً JUMP کیا اور کیبنٹ مشن پلان کے لئے اپنی منظوری سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی توقف نہیں کیا اور یہ موقع ہی نہیں دیا کہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نہرو صاحب کے بیان سے براءت کا اظہار کر سکے۔ چنانچہ کیبنٹ مشن پلان کو سبوتاژ کرنے کی ذمہ داری پنڈت جی کے کھاتے میں گئی اور پھر انگریز کو ملک کی تقسیم کا فارمولا تسلیم کرنا پڑا اور پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا..... بہرحال میں

نے جو مشورہ گزشتہ جمعہ کو دیا تھا' اسے آج قدرے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

مرکز کو مضبوط اور با اختیار ہونا چاہیے!

اب آیئے وفاقی مرکزی حکومت کے معاملے کی طرف۔ آج ہی کے نوائے وقت میں چودھری پروفیسر عبدالحمید صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ میں اُس کا پورا مطالعہ تو نہیں کر سکا، سرسری طور پر پڑھا ہے۔ چودھری صاحب موصوف میرے کرم فرما بھی ہیں۔ کرم فرما دو اعتبارات سے' ایک یہ کہ میں انہیں اپنا بزرگ مانتا ہوں لیکن انہوں نے پچھلے دنوں اپنے مضامین میں مجھ پر جو "کرم فرمائیاں" کی ہیں ان میں میرے موقف کی صحیح ترجمانی نہیں ہوئی ہے' اس کا کچھ گلا شکوہ میرے دل میں ہے۔ لیکن اُن کا آج کا مضمون پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ انہوں نے جس سیاسی تدبّر کی ضرورت ہے' اس کی بات کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ پیپلز پارٹی اس وقت مرکز میں اقتدار میں ہے اور وہ چاہتی ہے کہ مرکز مضبوط ہو۔ اس وقت ہمارے تدبّر کا ثبوت یہ ہو گا کہ ہم اس کے ہاتھوں مرکز کو مضبوط کروالیں۔ اس لئے کہ مرکز ہمیشہ پیپلز پارٹی کے پاس تو نہیں رہے گا۔ یہ کوئی ہمیشہ کی بات تو نہیں ہے۔ آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ میں نے بھی ۱۸ر نومبر ۸۸ء کی تقریر میں عرض کیا تھا کہ قومی اسمبلی کے اس الیکشن کے جو نتائج سامنے آئے ہیں' ان کے بارے میں یہ نہ سمجھئے کہ یہ کوئی آخری ہار ہے یا آخری جیت ہے۔ اس کے اندر تو نہ معلوم کتنے موڑ آئیں گے! لوگ ناکام بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے اصغر خاں صاحب اور مولانا نورانی میاں جیسے سیاست دانوں کے بیانات آئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ اس رائے کا اظہار کر رہے ہیں۔ میں نے بھی کہا تھا کہ مڈٹرم الیکشن کی ضرورت شاید بہت جلدی پیش آجائے۔ ورنہ پانچ سال بعد دستور کی رُو سے الیکشن دوبارہ ہوں گے تو یہ کوئی مستقل فتح نہیں' مستقل شکست نہیں۔ کیا پتہ کہ جو آج مرکز میں بیٹھے ہیں وہ آئندہ صرف کسی ایک صوبے میں بیٹھے ہوں اور جو آج صرف ایک صوبے میں بیٹھے ہیں وہ کل مرکز میں ہوں..... لیکن واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کی سالمیت کے اعتبار سے مضبوط مرکز ضروری ہے..... پھر آج جو پیپلز پارٹی مرکز میں اقتدار میں ہے' اس کا اصل BASE سندھ بن گیا ہے جب کہ ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کا اصل BASE پنجاب تھا۔ اس پیپلز پارٹی کے ہاتھوں دستور کی آٹھویں ترمیم میں افہام و تفہیم سے کچھ ردّوبدل کرا کے اگر اس کا یہ نتیجہ نکلے کہ مرکز کو زیادہ اختیار مل جائیں..... تو پاکستان کے مستقبل کے اعتبار سے یہ ایک سنہری موقع ہے جس سے فائدہ اٹھانا چاہئے..... یہ چند باتیں میں نے ملک کے اندرونی معاملات اور اندرونی سیاست

کے بارے میں آپ کے سامنے رکھیں۔ اب جو بیرونی معاملات ہیں ان کی طرف آیئے۔

بیرونِ ملکی حالات پر ایک نظر

افغانستان ـــــ وقتِ دُعا ہے

میں دو بڑی سپر پاورز کی پالیٹکس پر تو اس وقت کوئی گفتگو نہیں کروں گا البتہ ہماری سرحدوں کا جو معاملہ ہے اس کے حوالے سے مجھے چند باتیں عرض کرنی ہیں۔ ہماری سرحد کا سب سے طویل سلسلہ بھارت کے ساتھ اور دوسرے نمبر پر افغانستان کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد تیسرے نمبر پر ایران کے ساتھ ہے جو نسبتاً چھوٹا ہے۔ چین کے ساتھ بھی ہنزہ میں کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ لیکن سرحدوں کا اصل اور اہم معاملہ ان دو ممالک یعنی بھارت اور افغانستان کے ساتھ ہے۔ مجھے اوّلاً اپنی شمال مغربی سرحد سے متعلق یعنی افغانستان اور افغان جہاد کے حوالے سے تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے افغان مجاہد بھائیوں کو ایک اور کامیابی حاصل ہوئی کہ سعودی عرب کے بعد اب اسلامی ممالک کی تنظیم (O I C) نے بھی ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور انجینئر گلبدین حکمت یار اس کے حالیہ اجلاس میں افغان حکومت کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے شریک ہوئے ہیں۔ یہ پیش رفت اور کامیابی افغان مجاہدین کی حکومت کو مبارک ہو..... لیکن جلال آباد میں اس وقت جو ہو رہا ہے وہ میرے نزدیک بہت ہی تشویش کی بات ہے۔ اس کے ضمن میں ہم فوری طور پر جو کر سکتے ہیں وہ افغان مجاہدین کی کامیابی کے لئے دعا ہے۔ دعا بہت بڑی شے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الدّعاءُ سِلاح المؤمن "دعا مومن کا ہتھیار ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا لا یردّ القضاء الّا بالدّعاء "یعنی کبھی کبھی تقدیر کے جو فیصلے ہوتے ہیں وہ بھی اللہ دعا کی وجہ سے بدل دیتا ہے۔ چنانچہ افغان مجاہدین کی کامیابی کے لئے دعا کی شدید ضرورت ہے۔ محسوس ایسا ہو رہا ہے کہ روس گیا تو ہے لیکن اپنی کٹھ پتلی حکومت کو جس قدر مضبوط اور مسلّح کر کے گیا ہے اس کا ہمیں اندازہ نہیں تھا۔ جلال آباد کے متعلق تو ہمارا خیال تھا کہ اس کی تسخیر ایک دو دن کا معاملہ ہے لیکن وہاں جتنی زبردست مدافعت ہو رہی ہے اس سے تو 'ہنوز دلی دور است' والا معاملہ نظر آتا ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہوئے کہ کابل کا معاملہ تو اور زیادہ مخدوش ہے۔ اس وقت جلال آباد کے

محاذ پر بڑی خون ریز جنگ ہو رہی ہے اور وہاں ہمارے مجاہد بھائیوں کو بھی شدید قربانی دینی پڑ رہی ہے اور ان کے ساتھ باہر کے لوگ بھی جام شہادت نوش کر رہے ہیں۔ پھر روس کی طرف سے وارنسٹوف کا جو بیان آج آیا ہے' وہ ایک بہت بڑی دھمکی ہے۔ اس نوع کے بیان پہلے بھی آتے رہے ہیں لیکن وزیر خارجہ کی طرف سے براہ راست یہ بات کہنا پاکستان کے لئے بھی اور افغان مجاہدین کے لئے بھی بہت نازک (CRITICAL) مرحلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں ہمارے افغان بھائیوں کو اور ہمیں استقامت اور سرخروئی عطا فرمائے اور اس نازک مرحلہ سے بخیر و عافیت گزار دے۔ یہ ہمارے افغان مجاہد بھائیوں کے لئے بڑا صبر آزما مرحلہ ہے' خاص طور پر اس گروپ کے لئے جن کو بنیاد پرست (FUNDAMENTALISTS) کے نام سے گالی دی جاتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی ان کی سب سے بڑی تعریف اور مدح ہے۔ مجھے یاد آیا کہ وال سٹریٹ جرنل کا ایک نمائندہ مجھ سے ایک انٹرویو لینے اُس زمانے میں میرے پاس آیا تھا جب خواتین کے دائرۂ کار اور حجاب وغیرہ کے بارے میں میرے دینی موقف کی وجہ سے پاکستان اور بیرون پاکستان میں میری مخالفت کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا تھا اور مغرب کے ذرائع ابلاغ بھی متوجہ ہوئے تھے۔ اسی کے ضمن میں نیویارک کے رسالے وال سٹریٹ جرنل کا جو نمائندہ میرے پاس آیا تھا' اس نے مجھ سے کہا کہ "کیا آپ پسند کریں گے کہ آپ کو بنیاد پرست (FUNDAMENTALIST) کہا جائے؟" میں نے کہا بالکل کہئے۔ اس لئے کہ ہم تو FUNDAMENTALS ہی کو پکڑنا چاہتے ہیں۔ انہیں چھوڑ کر ہم جائیں گے کہاں پر؟ اجتہاد نام ہی اس شے کا ہے کہ 'KEEPING THE FUNDAMENTALS INTACT'۔ بنیادوں کو اپنی اصل پر قائم اور برقرار رکھیں۔ پھر آگے بڑھیں۔ جیسے قرآن مجید میں درخت کی مثال دی گئی ہے: اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۔ درخت کی جڑ زمین میں مضبوطی کے ساتھ گڑی ہوئی ہو' پھر اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کریں' کوئی حرج نہیں..... لیکن جڑ ہی اکھاڑ دی جائے تو پھر درخت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ لہٰذا میں نے کہا کہ میں بالکل پسند کروں گا کہ مجھے بنیاد پرست کہا جائے۔ اِسے گالی بنا دیا گیا ہے جبکہ میرے نزدیک یہ قابلِ مدح بات ہے۔ بہرحال ان افغان مجاہدین کے لئے اور پاکستان کے لئے بھی یہ ایک نازک مرحلہ آ گیا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس نازک گھڑی سے ان کو بھی اور ہمیں بھی سرخروئی کے ساتھ نکالے..... "ندا" کے تازہ شمارے میں رپورٹ آئی ہے کہ یاسر عرفات صاحب جو پاکستان تشریف لائے تھے تو وہ درحقیقت روس کی طرف سے افغانستان میں ایک وسیع تر حکومت کی تشکیل کا منصوبہ افغان مجاہدین کی عبوری حکومت سے منظور کرانے کی غرض۔

سے آئے تھے جس میں ڈاکٹر نجیب کی نمائندگی بھی ہو۔ اسی رپورٹ سے مجھے معلوم ہوا کہ ایک موقع پر افغان مجاہدین کے نمائندوں اور یاسر عرفات صاحب کے مابین ایک جھڑپ بھی ہو گئی تھی جب طائف میں کوئی اجلاس ہو رہا تھا۔ اس موقع پر یاسر عرفات صاحب نے وہی بات کہی تھی جو چند دوسرے حضرات بھی کہہ رہے تھے کہ یہ تو روس اور امریکہ کی جنگ ہے جسے خواہ مخواہ جہاد کا نام دے دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روس اور امریکہ کی جنگ بھی تھی۔ لیکن اس کے حوالے سے جہاد کی نفی بالکل غلط بات ہے۔ افغان مجاہدین نے روس کے تسلّط کو روکنے کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے ہیں۔ بڑی جرأتِ مؤمنانہ سے روس کی جدید ترین اسلحہ سے لیس فوجوں کا مقابلہ کیا ہے اور اُسے لوہے کے چنے چبوائے ہیں۔ ——— امریکہ نے جب یہ دیکھا کہ افغان مجاہدین میں دم خم ہے اور وہ بڑی دلیری سے روس کے توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں آہنی دیوار بن گئے ہیں' تب اس نے مجاہدین کی فوجی اور دوسری نوعیت کی امداد کا سلسلہ شروع کیا ہے..... بہرحال یاسر عرفات صاحب یہ تجویز لے کر آئے تھے کہ مجاہدین کی عبوری حکومت نجیب رجیم کے نمائندوں کو بھی حکومت میں شامل کر لیں تو جنگ فوری طور پر بند ہو سکتی ہے۔ اس مسئلہ میں مرکزی حکومت کی پالیسی بہت قابلِ تعریف رہی ہے کہ اس نے اس گفت و شنید میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا' سوائے اس کے کہ افغان مجاہدین کے نمائندوں اور یاسر عرفات صاحب کے مابین ملاقات کا انتظام کر دیا۔ لیکن خود افغان مجاہدین کو کسی درجے میں بھی اس تجویز کو قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ ان کا اپنا معاملہ ہے' ان کو خود فیصلہ کرنا ہے کہ کس قسم کی حکومت بنائیں۔

بھارت ——— نئی خارجہ حکمتِ عملی کی ضرورت

اب آیئے بھارت کی طرف۔ بھارت کے بارے میں میں نے پچھلی تقریر میں کچھ باتیں عرض کی تھیں۔ اس وقت میں تیزی کے ساتھ ان کو دہراؤں گا۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے لئے بھارت کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ایک عقدۂ لاینحل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ بھارت کے ساتھ نہ دوستی اچھی ہے' نہ دشمنی! پاکستان ایک چھوٹا ملک ہے' جبکہ بھارت ایک بہت بڑا ملک ہے۔ پاکستان جب دو خطّوں (مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان) پر مشتمل تھا تب بھی بھارت کے مقابلے میں چھوٹا ملک تھا۔ اب جو پاکستان ہے اس کی تو ظاہر بات ہے کہ بھارت کے ساتھ قریباً ایک اور دس کی نسبت قائم ہو چکی ہے۔ پھر پاکستان دنیا میں وہ دوسرا ملک ہے جسے پیدائشی طور پر دشمنی ملی ہے۔ اسرائیل کو عربوں کی دشمنی

پیدائشی طور پر ملی ہے اور پاکستان کو پیدائش کے ساتھ ہی بھارت کی دشمنی ملی ہے۔ اب اس کے ساتھ دوستی اور دشمنی کا جو عقدۂ لاینحل (DILEMMA) رہا ہے اس کی خاصی تفصیل میں سابقہ جمعہ کی تقریر میں بیان کر چکا ہوں۔ اس تناظر میں واقعہ یہ ہے کہ بھارت کی نہ دوستی اچھی نہ دشمنی اچھی۔ لیکن اس دوستی اور دشمنی کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ اس کا سارا فائدہ سپر پاورز کو پہنچتا ہے۔ خاص طور پر روس کو اتنا فائدہ پہنچا ہے کہ اسے ہم سے کئی گنا طاقت کی دوستی مل گئی۔ یہ دوستی اس کو اس وجہ سے ملی کہ ہماری دوستی امریکہ کے ساتھ تھی اور کسی وقت امریکہ کی خاص نظر عنایت ہم پر ہو جاتی تھی۔ امریکہ کی خارجہ پالیسی میں اگر پاکستان کی طرف پانچ درجے کا جھکاؤ ہو جاتا تو اس کے مقابلے میں بھارت پچاس درجے روس کی طرف جھک جاتا۔ تو زیادہ فائدہ تو روس کو پہنچا۔ اور سب سے زیادہ نقصان پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں کے عوام کو پہنچا۔ اس لئے کہ دونوں ملکوں کی جتنی بھی پیداواری استعداد ہے اور جتنے بھی مالی وسائل و ذرائع ہیں' ان کا سب سے بڑا حصہ ہتھیاروں اور دیگر فوجی سازوسامان کی خرید پر خرچ ہو رہا ہے۔

بھارت کے ساتھ ہمارا دوستی اور دشمنی کا معاملہ تو اس مغنّیہ کا سا نظر آتا ہے' جسے دلی کی فتح کے بعد نادر شاہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا اور وہ بیچاری نہ اپنا گھر چھوڑنا چاہتی تھی' نہ بادشاہ کی خواہش سے انکار کر سکتی تھی۔ اس نے بادشاہ کے سامنے غزل گائی تھی ع 'نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی' اس پر نادر شاہ مسکرا پڑا اور اس غریب کی جان بخشی ہوئی۔ تو ہمارا معاملہ بھی یہ ہو گیا ہے کہ بھارت کے ساتھ دوستی میں بھی ہمارا مفاد نہیں اور اس کے ساتھ دشمنی میں بھی ہمارا نقصان ہے۔ دوستی کرتے ہیں تو سب سے بڑا اندیشہ یہ ہے کہ ایک تو یہ منی سپر پاور بن کر چھا جائے گا' DOMINATE کرے گا' اور دوسرے یہ کہ ہماری جو بھی بچی کھچی اقدار ہیں وہ بھی اس دوستی کی نذر ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ بھارت کا جو ثقافتی حملہ ہم پر ہو گا وہ بہت ہی مؤثر اور زوردار ہو گا۔ جہاں تک بھارت کے ساتھ دوستی کا تعلق ہے وہ تو حالات کی درستی کے لئے ضروری ہے' لیکن اگر اس دوستی میں ہم چھوٹے بنیں اور وہ بڑا ہو تو یہ کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔ دوستی ہونی چاہئے لیکن برابری (EQUALITY) کی بنیاد پر۔ یہ تو یوں سمجھئے کہ " UNDERSTOOD " ہے اور ایسی بات ہے جس کو کہنے کی ضرورت بھی نہیں اسلئے کہ دنیا میں چھوٹے بڑے ہر طرح کے ملک ہوتے ہیں لیکن یہ کہ جب بین الاقوامی سطح پر آتے ہیں تو ان کی توقیر برابری کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اگر سارک کا اجلاس ہو رہا ہو تو خواہ راجیو صاحب تشریف لائیں یا کسی چھوٹے سے ملک یا

جزیرہ کا کوئی وزیر اپنے ملک کی نمائندگی کے لئے آئے ان کا پروٹوکول برابر ہوگا۔ تو اس اعتبار سے دنیا کے جو بھی تسلیم شدہ اصول ہیں اُن کے مطابق برابری کی بنیاد پر بہتر روابط استوار کرنے کی کوشش ہونی چاہئے۔ یہی بات میں نے ضیاء الحق مرحوم کی مجلسِ شوریٰ میں بھی زور دے کر کہی تھی کہ آپ نے پرامن جارحیت (PEACE OFFENSIVE) کی جو پالیسی شروع کی ہے' میں اس کی تائید کرتا ہوں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے 'DIPLO-MATIC MOVE' (سیاسی چال) کے طور پر ہی استعمال نہ کیا جائے بلکہ بلا تاخیر صحیح رخ پر اس پالیسی کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جائے۔

کشمیر کے مسئلے میں بھی کھلے انداز میں ایسی نئی تجاویز سامنے آنی چاہئیں' جو تینوں فریقوں کے لئے قابل قبول ہوں۔ اس لئے کہ یہ ایسا نزاع ہے جو دونوں ملکوں کی باہمی دشمنی کا اہم سبب بھی ہے اور تعلقات کی بہتری کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی۔ میں پچھلی تقریر میں یہ بات وضاحت سے کہہ چکا ہوں کہ ہماری جانب سے مقبوضہ کشمیر میں رائے شماری کا مطالبہ اگر ایک وقت میں تسلیم بھی کر لیا گیا تو اس کے نتائج ہمارے حق میں کوئی مفید نہیں ہوں گے' کیونکہ بھارت وہاں بڑی تیزی کے ساتھ آبادی کے تناسب کو تبدیل کر رہا ہے۔ وہاں ہندو آ آ کر آباد ہو رہے ہیں اور ان کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے' جبکہ مسلم آبادی گھٹتی جا رہی ہے۔ ہندو کے پاس پیسہ ہے' وہ وہاں جائیداد خریدتا ہے' کاروبار جماتا ہے اور اس طرح ایک LONG TERM PLANNING کے ساتھ وہاں آبادی کے تناسب کو تبدیل کر رہا ہے۔ جس کے بعد وہ کہے گا کہ آیئے رائے شماری کے ساتھ کرا لیجئے! چنانچہ ہمیں اس صورت حال کے پیش آنے سے پہلے متبادل تجاویز پر بھی غور کرنا چاہئے۔

ثقافتی یلغار کا مقابلہ فکری جارحیت سے

ہندوستان کے ساتھ تعلقات معمول پر آنے سے جہاں تک اس کی ثقافتی یلغار کے خوف کا خطرہ ہے' تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی ایسا بڑا خوف نہیں ہے۔ یہ ثقافتی یلغار ہم پر اس وقت بھی ہو رہی ہے۔ دونوں طرف سے ثقافتی طائفے اور فنکار جس طرح آتے جاتے ہیں اور ان کی محفلیں جس انداز میں جمتی ہیں اور ان کے فوٹو جس طرح ہمارے اخبارات میں چھپتے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ انڈیا کی ویڈیو فلموں کو جس طرح ہمارے ہاں پذیرائی حاصل ہوئی ہے اور ان کا 'دُور درشن' جس شوق سے یہاں دیکھا جاتا ہے' یہ سب اسی ثقافتی و فکری حملے کے مظاہر ہیں۔ چنانچہ میرے نزدیک دونوں ملکوں کے تعلقات کے معمول پر آنے سے یا ان کے

باشندوں کو آمدورفت کی سہولتیں دینے سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہو گا۔ آپ کب تک فصیلوں کے پیچھے دبک کر بیٹھے رہیں گے۔ اب اصل ضرورت اس کی ہے کہ ہم OFFENSIVE ہوں' میدان میں آئیں۔ پچھلی مرتبہ میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے پاس ایسے دو ہتھیار ہیں جو ان کے پاس نہیں ہیں۔ ہندوستان کے پاس نہ کوئی نظریہ ہے' نہ کوئی نظام ہے۔ دونوں کے اعتبار سے یہ بالکلیہ مغربی تہذیب' مغربی نظام اور مغربی فلسفے کا تابع محض ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ انگریز کے آنے کے بعد ہندو نے انگریزی تعلیم' انگریزی زبان اور انگریزی کلچر کو کھلے ہاتھوں (OPEN ARMS) کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ اس لئے کہ اس کا کوئی اپنا کلچر رہا ہی نہیں تھا۔ اس کی ایک ہزار برس پرانی تہذیب صفحۂ ہستی سے مٹ چکی تھی۔ انگریز کی آمد اس کے لئے تو محض آقاؤں کی تبدیلی کی حیثیت رکھتی تھی کہ پہلے مسلمان حاکم تھے' اب انگریز آ گئے۔

ہمارا معاملہ ہندوؤں کے برعکس تھا۔ ہم تو تختِ حکومت سے گرا کر زمین پر لائے گئے تھے۔ ہم حاکم سے محکوم بنے تھے۔ لہٰذا ہمارے اندر شدید مزاحمت تھی۔ چنانچہ ہماری قوم کے علماء میں سے فعّال ترین طبقہ جس کے پاس امّت کی قیادت تھی' اس نے طے کر لیا کہ نہ انگریزی پڑھیں گے' نہ سائنس پڑھیں گے' نہ انگریزی لباس پہنیں گے' نہ کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور نہ چمچہ استعمال کریں گے۔ کسی نے چمچہ استعمال کر لیا اور کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھا لیا تو کہتے تھے کہ کرسٹائن ہو گیا ہے۔ سرسید احمد خان کو صرف اس بات کے لئے نامعلوم کتنے پاپڑ بیلنے پڑے کہ خدا کے لئے انگریزی پڑھو' ورنہ تم ہندو سے بہت پیچھے رہ جاؤ گے! اگر تم نے مقابلہ نہ کیا تو نہ تمہیں سرکاری ملازمتیں ملیں گی' نہ تم کوئی معقول پیشہ ورانہ مہارت حاصل کر سکو گے اور تمہاری حیثیت صرف پلّے داروں کی رہ جائے گی۔ سرسید کو اس کام کے لئے بڑا جہاد کرنا پڑا اور اس مسئلے میں ہماری قوم کے اندر ایک تقسیم ہوئی' جبکہ ہندو قوم نے یکسو ہو کر مغربی تعلیم اور مغربی کلچر کو اپنایا۔ مغربی تہذیب کی بے حیائی کو قبول کرنے میں انہیں کیا جھجھک ہو سکتی تھی۔ ان کے ہاں تو یورپ سے زیادہ بے حیائی پہلے سے موجود تھی۔ ان کے تو تہواروں کے اندر بے حیائی بکھری ہوئی ہے۔ ناچ اور راگ رنگ تو ان کے مذہب کا حصہ ہے' ان کے روزمرہ کے معمول میں شامل ہے۔ میں اس سلسلے میں ایک ذاتی مشاہدہ بیان کر رہا ہوں۔ ۷۰ء میں میرا پہلی اور آخری مرتبہ 'مشرقی پاکستان' جانا ہوا۔ 'کھلنا' میں ہمیں ایک ہندو گھرانے کی طرف سے چائے کی دعوت دی گئی۔ ہم وہاں گئے تو حیران رہ گئے کہ چائے کے بعد ہمارے میزبان نے کہا کہ میری بچی ذرا ڈانس کرنا چاہتی ہے۔ گویا ان

کے ہاں یہ مہمانداری کے لوازمات میں سے تھا تو انگریزی مغربی تہذیب سے بھارت کو کوئی مغائرت نہیں تھی' اس نے اسے قبول کیا اور اسی پر چلا جا رہا ہے۔ تہذیب کے ساتھ ساتھ ہندوستان نے یورپ کا نظام بھی قبول کیا اور وہ بدترین سرمایہ دارانہ نظام آج بھی ہندوستان میں چل رہا ہے اور ایک اعتبار سے جان لیجئے کہ اس کے چلتے رہنے کی بڑی وجہ ہندو پاکستان کی آپس کی دشمنی ہے وہاں کی قیادت عوام کو آمادہ کرتی ہے کہ فاقے کرو' بھوکے رہو' ہمیں ہتھیار ضرور بنانے ہیں' جیسے کبھی بھٹو صاحب نے کہا تھا کہ گھاس کھائیں گے لیکن ایٹم بم ضرور بنائیں گے۔ اس دلیل پر وہاں کا عام آدمی بھوکا رہنے کے لئے بھی تیار ہے۔ ان پر یہ خوف اب بھی سوار ہے کہ یہ 'مُسلے' جو شمال مغربی سرحد سے ہمیشہ آتے رہے ہیں اور اب پاکستان وہاں موجود ہے' نہ معلوم کب یہ تاریخ کو پھر اسی طریقے سے دہرا دیں۔ احمد شاہ ابدالی' محمود غزنوی' بابر اور لودھیوں اور غوریوں کی داستانیں انہیں بھولی نہیں۔ چنانچہ مُسلے کے خوف کی بنیاد پر وہ نظام وہاں قائم ہے۔ اس کے برعکس ہمارے پاس ایک نظریہ ہے' ایک حکمت ہے' ایک ثقافت اور ایک تہذیب ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی نگاہِ دُور بیں سے مغربی تہذیب کا مشاہدہ کر کے اس کے بارے میں کہا تھا۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو' خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو' وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا' ناپائیدار ہو گا!

لیکن اب ہندوستان اُسی شاخِ نازک پہ آشیانہ بنائے بیٹھا ہے اور ہماری اصل کوتاہی' بدقسمتی اور حماقت یہ ہے کہ ہم بھی اُسی تہذیب میں اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس جو اصل قوتِ تسخیر تھی' یعنی ہمارا فکر' ہماری ثقافت' ہماری تہذیب اور ہمارا نظام اس کو ہم لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور جان لیجئے کہ اگر آپ مغرب کے اس طریقے کی غلامانہ ذہنیت کے ساتھ پیروی کریں گے تو اس میں آپ ہندوستان کے برابر بھی کبھی نہیں آسکتے' اس سے آگے نکلنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم مغربی تہذیب کی نقالی اور بے حیائی میں ہندوستان کا بالکل مقابلہ نہیں کر سکتے' چاہے ہم کتنے ہی میوزک ۸۹ء لے آئیں اور دوپٹے سروں سے اتارنے کے علاوہ کچھ اور بھی کرنا شروع کر دیں۔ ——— وہ تو ہم سے بہت آگے ہیں۔ آپ ان کی گرد تک نہیں چھو سکتے۔ لہٰذا مقابلے کا میدان یہ نہیں ہے۔ ہمیں اپنا میدان اختیار کرنا چاہئے۔ ہمارا اپنا نظریہ ہے' اپنا نظام ہے' اپنی

تہذیب ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے یہ ملک بنایا گیا تھا اس کی طرف پیش قدمی نہیں ہوئی۔ مولانا مودودی صاحب نے ایک بڑا پیارا جملہ لکھا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ دنیا مسلمانوں کے حال پر تعجب کرے گی کہ عصائے موسیٰ ان کی بغل میں تھا لیکن وہ دوسروں کی لکڑیوں اور چھڑیوں کو دیکھ کر کانپ رہے تھے' لرز رہے تھے۔ بڑی پیاری تلمیح ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا تھا تو انہوں نے اپنی رسیاں اور چھڑیاں پھینکی تھیں تو وہ سانپ بن گئی تھیں۔ اس پر' بربنائے بشریت' حضرت موسیٰؑ کو تھوڑا سا خوف آیا کہ جو میرے پاس تھا وہی ان کے پاس بھی آگیا۔ اب یہ کیسے ثابت ہوگا کہ حق یہ ہے اور باطل وہ ہے۔ میرے پاس بھی تو یہی ہے نا کہ میرا عصا سانپ بن جاتا ہے..... اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰؑ ڈرتے کیوں ہو؟ اپنا عصا پھینکو تو سہی کہ یہ اس سب کو نگل جائے جو انہوں نے بنایا ہے..... تو مسلمان قوم بھی اپنی بغل میں عصائے موسوی رکھتی ہے۔

علامہ اقبال نے اس قرآن کو عصا کہا ہے ع

در بغل داری کتابِ زندہ

یہ کتابِ زندہ ہماری بغل میں ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ڈر رہے ہیں' کانپ رہے ہیں ہندوستان کی یلغار سے کہ اس کا کلچر اور تہذیب ہمیں ہڑپ کر جائے گی اور میں حیران ہوتا ہوں کہ اور تو اور' قاضی حسین احمد صاحب اس کا واویلا بلند کر رہے ہیں۔ انہیں تو اعتماد ہونا چاہئے کہ ہمارے پاس اپنا کلچر ہے' ہماری اپنی تہذیب ہے۔ اس عصا کو' خود مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہو کر' ڈالیں تو سہی۔ اس کے سامنے ان کے بوسیدہ نظام کی کیا حیثیت ہے۔ وہ بوسیدہ نظام کہ جس کے بارے میں اقبال ساٹھ ستر برس قبل پیشین گوئی کر گئے ہیں کہ یہ شاخ اب ٹوٹنے والی ہے ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا' ناپائیدار ہوگا!

تو یہ ہے اصل میں کرنے کا کام! اب میں دو حصوں میں آپ کے سامنے اس کی تفصیل رکھوں گا کہ انڈیا کے ساتھ ہمارا جو PEACE OFFENSIVE (پرامن جارحیت) ہے' اس کے ساتھ ایک CULTURAL OFFENSIVE ہونا چاہئے۔ یہ دنیا میں اصول کے طور پر مانا گیا ہے کہ 'OFFENSE IS THE BEST DEFENSE' یعنی اقدام بہترین دفاع ہے۔ اور وہ جو اقبال نے کہا ہے کہ ع عشق خود ایک سیل ہے' سیل کو لیتا ہے تھام! آپ سیلاب کے آگے بند باندھیں گے تو وہ نہیں رکے گا۔ سیلاب کا مقابلہ جوابی

سیلاب سے ہو گا۔ ایک ثقافتی حملے (CULTURAL INVASION) کا مقابلہ جوابی ثقافتی یلغار ہی سے ہو گا۔ نظام کے مقابلے میں آپ بہتر نظام لیکر آیئے۔ میں نے پچھلی مرتبہ بھی عرض کیا تھا کہ ہندوستان کے بارے میں ایک بات جان لیجئے کہ وہاں ذات پات کی بناء پر اونچ نیچ کا جو نظام تا حال موجود ہے اس ضمن میں ہمارا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ ہم نے ہندوستان پر ایک ہزار یا آٹھ سو برس تک حکومت کی لیکن اس کے ذریعے سے اسلام کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی ورنہ یہ ہریجن، بوان کے ہاں اچھوت ہیں ان کو تو ذرا سی محنت سے اسلام کی طرف لا سکتے تھے۔ بلکہ اس دور میں ہریجنوں کے جتنے لیڈر ابھرے ہیں سب کے سب مسلمان ہونے کو تیار تھے۔ جگ جیون رام' امبیت کر مسلمان ہونے کو تیار تھے اور میں حیران ہوا تھا جب پہلی مرتبہ میں مدارس گیا تھا۔ وہاں یہ بات میرے علم میں آئی تھی۔ تامل ناڈو ایک بہت بڑا صوبہ ہے ہندوستان کا' اس وقت تامل قومیت ہندوستان کی بہت بڑی اور مضبوط قومیت ہے۔ اس میں تامل کلچر اور تامل تہذیب کا جو احیاء ہوا ہے اور تامل ناڈو کے نام سے جو تامل لینڈ وجود میں آیا ہے تو اس احیائی عمل میں انادورائی کو ان کے مرکزی لیڈر کی حیثیت حاصل ہے۔ مدارس میں میں نے دیکھا کہ ہر چوک میں جہاں گاندھی کی مورتی ہے وہاں اس کے برابر انادورائی کی مورتی بھی موجود ہے۔ یعنی جس طرح پورے ہندوستان میں گاندھی کو پوجا جاتا ہے اسی طریقے سے تامل ناڈو میں انادورائی کی پرستش ہوتی ہے۔ انادورائی کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ اسے حضورؐ کی سیرت کے ساتھ تو اتنا عشق تھا کہ کہیں میلاد کی محفل کی اطلاع اسے ہوتی فوراً پہنچ جاتا تھا۔ وہ شخص مسلمان ہونے کیلئے تیار تھا لیکن وہی قدیمی شیعہ سنّی مسئلہ اس کے آڑے آیا۔ وہی سبائیت کا ڈالا ہوا فساد' عبداللہ ابن سبا کا وہ خنجر جو آج تک جسدِ امت میں پیوست ہے' انادورائی کے راستے کا پتھر ثابت ہوا۔

یہی معاملہ ہوا امبیت کر کے ساتھ کہ وہ مسلمان ہونے کو تیار تھا تو وہ حضرات پہنچ گئے کہ صاحب اگر آپ کو مسلمان ہونا ہے تو پھر اصل فرقہ تو ہمارا ہے' اصل اسلام تو یہ ہے۔ تو وہ پریشان ہوا کہ اب میں کس کو قبول کروں اور کس کو چھوڑوں اور یہ چیز اس کے قبولِ اسلام کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ تامل قوم کے اندر بڑی توانائی ہے اور وہ پوری کی پوری قوم مسلمان ہو سکتی تھی لیکن کسے دوش دیں کہ قصور تو ہمارا اپنا ہے۔ اور یہ وہ کوتاہی ہے جس کے ہم آٹھ سو برس تک مرتکب ہوتے رہے کہ ہریجنوں تک کو مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی جن کے لئے اسلام کی قبولیت کی راہ میں کوئی رکاوٹ موجود نہ تھی۔

ہماری دوسری کوتاہی جس کی جانب میں آج آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں' ہندوؤں کی

اعلیٰ ترین ذات برھمنوں کے معاملے میں تھی۔ یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ فلسفہ برھمنوں کے رگ وریشے میں پیوست ہے۔ ضربِ کلیم میں "ایک فلسفہ زدہ سیّدزادہ کے نام" کے عنوان سے علامہ اقبال کی جو نظم ہے' اُس میں وہ فلسفہ زدہ سیّدزادے کو تو یہ پیغام دیتے ہیں کہ ۔

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا   زناریٔ برگساں نہ ہوتا

لیکن خود اقبال جو خاندانی اعتبار سے کشمیری پنڈت تھے' اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ۔

ہے فلسفہ میرے آب و گِل میں
پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں

میرے تو خمیر میں فلسفہ موجود ہے۔ میرے دل کے ایک ایک ریشے میں فلسفہ ہے۔

اقبال اگرچہ بے ہنر ہے
اس کی رگ رگ سے با خبر ہے

ایک جانب اقبال کا تواضع اور انکسار ہے کہ خود کو بے ہنر کہہ رہے ہیں لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کا اعتراف بلکہ دعویٰ بھی ہے کہ میں فلسفے کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ تو میں بتانا چاہ رہا ہوں کہ ہندوستان میں پنڈتوں اور برھمنوں ہی کو ہمیشہ حاکموں کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ نہرو فیملی بھی کشمیری پنڈتوں کی فیملی ہے اور شیواجی وغیرہ بھی مہاراشٹر کے پنڈت تھے۔ یہ برہمن اور پنڈت ہی ہمیشہ ہندوستان کی کلچرل قیادت پر بھی قابض رہے ہیں۔ فلسفہ ان لوگوں کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ لیکن ہماری سب سے بڑی کوتاہی یہ ہوئی کہ ہم اسلام کو فلسفہ وفکر کی سطح پر پیش تو کیا کرتے ہم نے ہندوستان کے جو مقامی فلسفے اور نظریات تھے انہیں سمجھنے کی بھی کبھی کوشش نہیں کی۔ ہم تو اس گھمنڈ میں رہے کہ ہم حاکم ہیں اور یہ محکوم۔ ان کے پاس کونسا فلسفہ اور نظریہ ہے' یہ ہم نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔ ہم اس نشے میں تھے کہ اصل شے تو تلوار ہے اور تلوار ہمارے پاس ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم ان کے فلسفے کا مطالعہ کرتے' ان کے ذہن کو پڑھتے' ان کی سوچ کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اس لئے کہ جب تک آپ کسی شخص کی سوچ کو نہ سمجھیں' ابلاغ نہیں ہوسکتا۔ آپ اپنی بات اس تک نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اس معاملے میں ہم نے کوتاہی کی انتہا کردی۔ چند برس پہلے میرا بھارت جانا ہوا تھا۔ مجھے مدارس جانا تھا لیکن راستے میں بمبئی رکنا پڑا۔ وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو دین کی دعوت و تبلیغ کے کام میں سرگرم عمل تھے۔ نیک آدمی ہیں' بمبئی میں قرآن اکیڈمی کے نام سے انہوں نے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ مراٹھی زبان میں قرآن کا ترجمہ اور مختصر

حواشی شائع کر رہے ہیں۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میرا اکرام فرمایا اور اپنے دفتر میں مجھے مدعو کیا۔ ایسے ہی دورانِ گفتگو میں ان سے پوچھ بیٹھا کہ ویدوں کی تعداد کتنی ہے؟ کہنے لگے مجھے تو نہیں معلوم! میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو ویدوں کی تعداد نہیں معلوم؟ آپ نے کبھی وید نہیں پڑھی؟ کہنے لگے نہیں کبھی نہیں پڑھی۔ میں نے کہا آپ ہندوؤں میں اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اور نہ ان کے ذہن کو آپ جانتے ہیں نہ ان کے فکر اور فلسفہ سے واقف ہیں! ابلاغ کیسے ممکن ہے! ایسے تو ابلاغ کا حق ادا کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ابلاغ کا حق تب ادا ہوتا ہے کہ آپ ان کی سوچ کو اور ان کے فکر کو سمجھیں اور پھر کوئی قدرِ مشترک تلاش کر کے وہاں سے اپنی دعوت کا آغاز کریں۔ تب تو آپ کی بات کسی کے ذہن میں اترے گی اور دل میں جگہ بنائے گی۔

قرآن نے ہمیں یہی طریقہ بتایا ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا۔

"اے اہل کتاب آؤ کہ ہم اس کلمہ پر جمع ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں"۔

واقعہ یہ ہے کہ جو بات امام الہند شاہ ولی اللہؒ نے کہی تھی، میں سمجھتا ہوں کہ شاید وہ دور آ گیا ہے کہ وہ بات ایک مجسم حقیقت بن کر سامنے آئے۔ پاکستان کو اپنے بقاء کے لئے ہندوستان پر فکر کی بلند ترین سطح پر ایک حملہ کرنا ہوگا، ایک یلغار کرنی ہوگی۔ اس لئے کہ 'جارحیت بہترین دفاع ہے' کے اصول پر ہمیں آگے بڑھنا ہوگا اور ہمارے پاس عصائے موسیٰ کے طور پر قرآن موجود ہے۔ اعلیٰ ترین فکر اور بلند ترین نظریہ توحید ہمارے پاس ہے اور ہندوستان میں بھی اعلیٰ سطح پر اپنشد وغیرہ کے جو فلسفے ہیں ان میں توحید ہے۔ ایک تو عوام کا مذہب ہے یعنی بتوں کی پرستش اور ان کے سامنے ڈنڈوت وغیرہ۔ کھلونے ہیں جو انہوں نے عوام کو دے رکھے ہیں۔ ویسے ان کے ہاں بھی توحید موجود ہے۔ میرا اپنا تصور یہ ہے کہ صحفِ ابراہیم کی کچھ نہ کچھ تعلیمات مسخ شدہ شکل میں ان کے ہاں موجود ہیں اور ہندوستان میں یہ برہما کا لفظ جو ہے یہ درحقیقت ابراہیمؑ ہی کے نام کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ انہوں نے اسے معبود بنا لیا جیسے حضرت مسیحؑ کو عیسائیوں نے اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ ظاہر بات ہے کہ اگر قرآن ہمیں نہ بتاتا تو ہم کیسے جانتے کہ وہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ بہرحال آج ہمیں یہ کام کرنا ہے کہ قرآن کے فکر اور نظریے کو اور اس کے فلسفہ و حکمت کو اعلیٰ علمی سطح پر دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے،

اور الا قرب فا لاقرب کے مصداق ہمارا ہمسایہ ہندو اس کا زیادہ مستحق ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم "فلسفہ زدہ سیدزادے کے نام" خاقانی کے دو اشعار پر ختم کی ہے اور دیکھئے اس میں پیغام کیا دیا ہے۔ ؎

دل در سخنِ محمدیؐ بند
اے پورِ علیؓ ز بُوعلی چند

اے فلسفہ کے پیچھے ٹھوکریں کھانے والے سیدزادے! محمدؐ کی باتوں کی طرف آ اور اپنے دل کو اس کے ساتھ لگا چھوڑو۔ اور جان لیجئے کہ قرآن ہی ایک اعتبار سے سخن محمدیؐ ہے' اس لئے کہ امت نے قرآن حکیم زبان محمدیؐ ہی سے تو سیکھا ہے۔ یہ وحی جلی ہے اور حدیثِ رسولؐ وحی خفی ہے۔ دونوں منزل من اللہ ہیں۔ قرآن حکیم کے بارے میں خود قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ "بیشک یہ قول ہے رسول کریم کا"۔ یہ حضرت جبرائیلؑ کے لئے بھی آیا اور حضورؐ کے لئے بھی' حالانکہ یہ کلام اللہ کا ہے۔ لیکن چونکہ پہلے جبرائیلؑ کی زبان سے محمدؐ کو پہنچا اور پھر محمدؐ کی زبان سے امت کو پہنچا تو یہ "قولِ رسولِ کریم" ہے' "سخنِ محمدیؐ" ہے۔

اے علی کی اولاد' یہ تم بوعلی سینا کے چکر میں کب تک پڑے رہو گے۔ یہ گویا ارسطو اور سقراط کے فلسفے کے لئے استعارہ ہے۔ بوعلی سینا انہی کے پیروکار ہیں۔ تو تم سیدزادے ہو' علیؓ کی اولاد ہو' تم بوعلی سینا کی طرف نہ جاؤ بلکہ علیؓ کے راستے سے ہو کر محمدؐ تک پہنچو۔ ؎

چوں دیدۂ راہ بیں نداری
قایدِ قرشی بہ از بخاری

تمہارے پاس اگر وہ بصارت نہیں ہے جو تمہیں سیدھا راستہ دکھا سکے تو برگساں اور ہیگل کا دامن تھامنے کے بجائے قائد قرشی محمد رسول اللہؐ کا دامن تھامو! اگر آدمی کے پاس ذاتی بصارت نہ ہو تو اس کی مجبوری ہے کہ وہ اپنی لٹھیا کسی کے ہاتھ میں تھمائے۔ تو تمہیں اگر اپنی لٹھیا کسی کو تھمانی ہی ہے تو محمد رسول اللہؐ سے بہتر قائد کہاں سے ملے گا!

اقبال کے اس پیغام پر ان کے مرشد معنوی مولانا رومی کے اس شعر کا اضافہ کر لیجئے۔ ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ قرآنیاں راہم بخواں

اے مسلمان کب تک یونانیوں کی حکمت پڑھتا رہے گا۔ کب تک افلاطون کے فلسفے

اور ارسطو کی منطق کے چکر میں پڑے رہو گے' آؤ قرآن کی حکمت کو پڑھو!

اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ واقعہ یہ ہے کہ ہم اس صدی میں اس اعتبار سے انتہائی خوش نصیب قوم ہیں کہ ایک تو ہمارا یہ ملک اسلام کے نام پر بنا۔ دوسرے یہ کہ یہاں علامہ اقبال دفن ہیں۔ اور یہاں ان کی شاعری اور پیغام کی سب سے بڑی ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے۔ میں نے اپنے کتابچے "علامہ اقبال اور ہم" میں علامہ اقبال کو رومی ثانی قرار دیا ہے۔ یہ دوسرے رومی ہیں جنہوں نے قرآن کے فلسفے اور حکمت کو محکم دلائل کے ساتھ اور انتہائی خود اعتمادی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور ہمارے لئے کرنے کا کام یہی ہے چونکہ ہم درحقیقت آج حکمتِ قرآنیہ کے سب سے بڑے امین ہیں۔

دُنیا کو حکمتِ قرآنی کی تلوار سے فتح کیجئے

گزشتہ جمعہ میں میں نے سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات پر گفتگو کی تھی۔ ان میں بہت سی بحثیں اور بہت سے تفسیری اشکالات ہیں۔ البتہ ان کا جو اصل خلاصہ اور لبِّ لباب ہے وہ علم کی اہمیت اور علم کی عظمت ہے۔ اسلام کے سوا کوئی دین نہیں۔ دین ہے ہی صرف اسلام' باقی تو مذہب ہیں چھوٹے چھوٹے سے اور سارے مذاہب اسلام ہی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ آدم کون تھے؟ مسلم تھے! دین کیا تھا؟ اسلام تھا! ان کی اولاد نے فساد پیدا کیا تو اس اسلام میں بگاڑ آیا۔ تو یہ سارے مذاہب اسلام ہی کی مسخ شدہ شکلیں ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے بارے میں تو ہم قرآن کی بنیاد پر جانتے ہیں کہ ان کا دین اسلام ہی تھا' جسے انہوں نے بگاڑ ڈالا' باقی کے بارے میں ہمارے پاس علم نہیں ہے..... تو جو دین آدم سے لے کر ایں دم تک نوعِ انسانی کو عطا کیا گیا اس میں علم کی تاکید عبادت سے ہزار گنا زادہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے کہ ایک گھنٹہ انسان پڑھنے پڑھانے میں لگائے۔ آپ ذرا اس نسبت و تناسب کا اندازہ کیجئے کہ عالم کی دوات کی سیاہی شہید کے خون کے ہم وزن قرار دی گئی ہے۔ مشکوۃ شریف کی 'کتاب العلم' میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من جاءہ الموت وھو یطلب العلم لیحیی بہ الاسلام فبینہ و بین النبیین درجۃ واحدۃ فی الجنۃ ..... "جس شخص کو موت آئی اس حال میں کہ وہ علم حاصل کر رہا تھا تاکہ اسلام کو زندہ کرے تو اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہو گا"۔ لیکن یہ نوٹ فرمالیجئے کہ یہ فضیلت اس علم کی ہے جو احیائے اسلام کے لئے حاصل کیا جائے۔ باقی رہا اس علم کا معاملہ جو

تنخواہوں کے لئے، بہتر کیریئرز کے لئے اور نمایاں پوزیشنز کے لئے حاصل کیا جائے تو یہ تو غیر مسلم بھی کر رہے ہیں۔

میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ علم کی دو شاخیں ہیں: علم الابدان اور علم الادیان یہ غالباً ابن خلدون کا قول ہے۔ ویسے میں تو قرآن حکیم کی بنیاد پر علم کی دو اقسام بیان کر چکا ہوں۔ سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع کے شروع میں علم الاشیاء یا علم الابدان کی طرف اشارہ ہے: "وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" ۔ اور اسی رکوع کے آخر میں علم ہدایت کا تذکرہ ہے جس کا ذریعہ وحی ربانی ہے: "فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى" اس علم ہدایت کا مرقع کامل ہے قرآن حکیم جس پر اس علم کی تکمیل ہو گئی۔

نوعِ انساں را پیام آخریں
حامل او رحمۃٌ للعالمیں

اور یہ جو علم کتاب ہے یہ ابتداً قلم کے ذریعے سے نہیں آیا۔ اب تو قلم کے ذریعے سے پھیل رہا ہے، ہم بھی پھیلا رہے ہیں، مفکرین نے بھی پھیلایا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ قلم کے ذریعے نہیں پہنچا بلکہ آنحضورؐ نے اسے فرشتے کی زبان سے سن کر زبانی یاد کیا ہے۔ سورۃ القیامۃ میں ارشاد ہوا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ یعنی اے نبیؐ اپنی زبان کو تیزی سے حرکت نہ دیجئے کہ اسے جلدی سے یاد کر لیں۔ ہمارے ذمے ہے اسے آپ کے ذہن میں بھی اور آپ کے سینے میں بھی محفوظ رکھنا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ علم کتاب زبان کے ذریعے سے پہنچا ہے۔ اور علم بالقلم سے علوم طبیعی مراد ہیں۔ ان کی اس قدر اہمیت ہے کہ تمام مظاہر فطرت کو قرآن مجید میں آیات خداوندی قرار دیا گیا ہے اور ان کے مطالعے کی دعوت دی گئی ہے۔

کھول آنکھ، زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

کائنات کی تخلیق میں غور کرو، توہمات سے نکل کر حقائق کو سمجھو اور حقائق کی گہرائیوں کے اندر غوطہ زنی کرو۔ سورۃ القلم کے آغاز میں قلم کی قسم کھائی گئی: نٓ وَ الْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○

جب اس طبیعی علم کی یہ اہمیت اور یہ مقام و مرتبہ ہے تو علم کتاب کی اہمیت کس قدر زیادہ ہوگی۔ یہ علم رحمان کی رحمانیت کا مظہر ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ..... یہ علم تمام علوم سے بلند و برتر ہے اور اس علم کی بھی کئی سطحیں (LEVELS) ہیں۔ اس کی ایک سطح تو یہ

ہے کہ تجوید سیکھ لیجئے' ناظرہ پڑھنا سیکھ لیجئے۔ ایک یہ ہے کہ ترجمہ سیکھ لیجئے۔ ایک یہ کہ اس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کیجئے۔ ع قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں !

اس کی حکمت تلاش کیجئے۔ اس بحرِ زخّار کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرو اور اس سے فلسفہ و حکمت کے موتی نکال کر دنیا کے سامنے پیش کرو۔ اس میدان میں دنیا کی کوئی قوم تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس قرآن کی طاقت سے تم پوری دنیا کو مسخر کر سکتے ہو۔ بلاتشبیہ عرض کر رہا ہوں' جیسے حضورؐ نے فرمایا تھا، یا ایھا النّاس قولوا لا الہ الّا اللّٰہ تفلحوا۔ اے لوگو' اس کلمے کو قبول کر لو تو کامیابیاں تمہارا مقدر ہوں گی۔ قیصر و کسریٰ کی دولت اور ان کی سلطنتیں تمہارے قدموں میں آجائیں گی۔ صحیح کہا تھا محمد رسول اللہ نے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور میں پورے تیقّن کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ آج کی دنیا میں اس سے بڑی کوئی قوتِ تسخیر نہیں۔ اس سے بڑی طاقت کسی اور شے کے اندر نہیں۔ اس حکمتِ قرآنی کی تلوار سے دنیا کو فتح کیجئے۔ جیسے اقبال نے کہا ہے۔ ؎

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
ز اں کہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

لیکن یہ یاد رکھئے کہ قرآن کی تلوار سے کام لینے کے لئے پہلے اپنا پتّہ مارنا پڑتا ہے۔ پہلے بیٹھ کر قرآن سیکھنا پڑتا ہے۔ خوشنما کیریئرز چھوڑنے پڑتے ہیں اور زندگی کی آسائشوں سے منہ موڑنا پڑتا ہے۔ یہ دیکھو گے کہ میرے ساتھی آگے نکلتے جا رہے ہیں' بنگلے بنتے جا رہے ہیں' کاریں آ رہی ہیں لیکن ہم بیٹھے ہیں قرآن کو پڑھنے اور پڑھانے' سیکھنے اور سکھانے میں۔ اگر یہ حوصلہ اور ولولہ ہے تو یہی ہے کرنے کا اصل کام! میں نے ۶۷ء میں کتابچہ لکھا تھا "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ۔ کرنے کا اصل کام" ۔ اور یہی وہ کام ہے جس کے لئے مرکزی انجمن خدّام القرآن اور قرآن اکیڈمی قائم کی تھی۔ اسی کام کے لئے قرآن اکیڈمی میں پہلے فیلوشپ اسکیم چلائی اور پھر دو سالہ کورس شروع کئے۔ ان کورسز میں گریجویٹس کے علاوہ ایم ایس سی' ایم بی بی ایس' بی ڈی ایس اور سول انجینئرز نے بھی توفیقِ الٰہی سے علمِ دین کی تحصیل کی۔ اور اسی سلسلے کی ایک کڑی قرآن کالج ہے۔ میں نے ہمیشہ ان تعلیمی سکیموں کے لئے افراد کا مطالبہ کیا ہے۔ اس مسجد میں بھی بارہا پکار لگائی ہے کہ اپنے بچوں کو اس کام میں لگائیے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے یہاں سے کوئی RESPONSE نہیں ملا۔ بہرحال میں ہمت ہارنے والا نہیں ہوں۔

الحمد للہ کہ میں اسی کام میں لگا ہوا ہوں اور مجھے اپنی باقی زندگی بھی اسی میں لگانی ہے۔ اس کے سوا میرے لئے اس دنیا میں کوئی AMBITION نہیں ہے۔ بچپن میں حفیظ جالندھری کا ایک شعر پڑھا تھا۔

کیا فردوسیٔ مرحوم نے ایران کو زندہ
خدا توفیق دے تو میں کروں اسلام کو زندہ

حفیظ نے اس شعر میں "شاہنامۂ اسلام" لکھنے کی غرض وغایت بیان کی تھی۔ اسی وقت سے دل میں یہ امید تھی کہ ع خدا توفیق دے تو میں کروں قرآن کو زندہ۔ اس لئے کہ اس قرآن سے ہماری نسبت مرچکی تھی' اسے زندہ کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ میں نے زندگی کے ساڑھے تیئیس برس اسی کام کے اندر گزار دیئے اور میں پورا مطمئن ہوں کہ میں نے اللہ کے فضل وکرم سے زندگی کے بہتر اور بیشتر حصے اس کتاب کے سیکھنے سکھانے میں صرف کئے ہیں۔ لیکن سمجھ لیجئے کہ یہ صرف مذہبی کام نہیں ہے۔ میرے لئے یہی قومی کام ہے' یہی کام اس ملک کے استحکام کا ضامن ہے' اسی سے آپ ہندوستان سے بلکہ پوری دنیا سے مقابلہ کرسکتے ہیں۔

آج دعوتِ قرآنی کو محض اعتقادی سطح (DOGMATIC LEVEL) پر نہیں بلکہ دلائل کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کہا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ ہندوستان کے اعلیٰ اقوام کے ہندو اسلام قبول کرلیں گے۔ یہ کام اگرچہ ساری دنیا میں کرنے کا ہے لیکن میں ہندوستان کا ذکر خاص طور پر اس لئے کر رہا ہوں کہ ایک تو ہندوستان ہمارا قریب ترین ملک ہے۔ پھر یہ ہمارا سب سے بڑا پیدائشی دشمن ہے جس سے ہمیں اپنے آپ کو بچانا بھی ہے۔ یہ بات بھی نوٹ کیجئے کہ ہندوستان وہ ملک ہے جہاں پندرہ کروڑ مسلمان آباد ہیں جو ہندو کے لئے لوہے کے چنے ثابت ہوئے ہیں۔ انہیں کوئی چبا نہیں سکا ہے۔ انہوں نے اپنے پرسنل لاء بورڈ کے اندر بڑی عظیم کامیابی حاصل کرکے دکھادی ہے اور ہندوؤں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ انہوں نے یہ بات ثابت کرکے دکھادی ہے کہ انکے عائلی قوانین کے اندر کوئی تغیّر و تبدّل نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمان مرجائے گا لیکن اپنے دین ومذہب میں کوئی کمی بیشی نہیں ہونے دے گا۔ پھر ایک عملی حقیقت یہ بھی ہے کہ ہمارے پاس وہ اردو زبان ہے جو پورے ہندوستان کے کونے کونے میں سمجھی جاتی ہے۔ اور ہندوستان کی زمین قرآن فہمی کے لئے بڑی زرخیز ہے۔ ہم اردو زبان کو یہاں دعوت قرآنی کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ کبھی کسی نے بڑی صحیح بات کہی تھی کہ قرآن نازل ہوا حجاز میں' اسکو پڑھنے کا حق ادا کیا مصریوں نے..... قراءت میں واقعتاً مصریوں سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا..... اور اسکو لکھنے کا حق ادا کیا ترکوں

نے۔ قرآنی خطاطی کا عظیم ترین مرکز ترکی ہی ہے..... اور اسکو سمجھنے کا حق ادا کیا ہندیوں نے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ حکمت قرآنی کو سمجھنے کیلئے ' ذہنِ ہندی ' بہت زرخیز ثابت ہو سکتا ہے۔ اور ہند میں حکمت قرآنی کا سب سے بڑا راز دان اقبال ہوا ہے۔

میں آپ کو اسی کام کی دعوت دے رہا ہوں جس کو میں نے اپنے لئے پسند کیا اور جس میں اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں کھپائیں۔ قرآن اکیڈمی کے بعد اب قرآن کالج اور قرآن آڈیٹوریم زیر تعمیر ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ارادہ ہے کہ اس آڈیٹوریم میں ابتداء سے اختتام تک پورے قرآن حکیم کا درس ریکارڈ کروادوں اور اس طرح وہ ویڈیوز اور آڈیوز کے اندر محفوظ ہو جائے۔ میں مفسّر نہیں ہوں ' اپنے آپ کو تفسیر لکھنے کا اہل نہیں سمجھتا ' البتہ اللہ تعالیٰ نے تفہیم کی صلاحیت دی ہے۔ اس کی توفیق سے جدید تعلیمیافتہ لوگوں کے ذہنوں تک اللہ کا یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر پورے قرآن حکیم کا سلسلہ وار درس ریکارڈ ہو جائے تو امید ہے کہ یہ آنے والی نسلوں کے لئے مفید ثابت ہو گا۔ اور اگر ہماری قسمت میں یہ نہیں ہے کہ ہم قرآن اور اسلام کے علمبردار بن کر کھڑے ہوں تو شاید اللہ تعالیٰ کسی اور قوم کو اس کی توفیق عطا فرما دے۔

آدم کو ثبات کی طلب ہے

اس بار مرکزی انجمن خدام القرآن کا سالانہ اجلاس اسی زیر تعمیر قرآن آڈیٹوریم میں ہو گا۔ اس میں آپ حضرات زیادہ سے زیادہ شرکت کیجئے۔ مزید برآں جمعہ ۲۴ مارچ کی شام سے انجمن کے زیر اہتمام جناح ہال لاہور میں پانچ دن متواتر "محاضراتِ قرآنی" ہوں گے۔ ان محاضرات کا مجموعی عنوان ہے "اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی" ..... اسلام کے فکر و فلسفہ کے علاوہ اس کا دیا ہوا نظام عدل اجتماعی آج انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اقبال کی اسی نظم "فلسفہ زدہ سیدزادے کے نام" میں اقبال کی عظمت کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

آدم کو ثبات کی طلب ہے　　دستورِ حیات کی طلب ہے

یعنی انسان تو بھٹک رہا ہے ' ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ وہ ایک نظام کو آزماتا ہے ' اس سے مایوس ہوتا ہے تو اسے پھینک کر دوسری طرف جاتا ہے۔ نوع انسانی اسی طرح ایک انتہا سے دوسری انتہا تک افراط و تفریط کے دھکے کھا رہی ہے۔ اس لئے کہ آدم کو ثبات (STABILITY) کی طلب ہے۔ اسے TRANQUILLITY کی ضرورت ہے۔ اسے ایسا امن اور اطمینان کا ماحول

درکار ہے جس میں ہر شخص سکون کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو نکھار سکے' انہیں DEVELOP کر سکے۔ اللہ کے ساتھ لو لگانے کے لئے بھی سکون و اطمینان کی ضرورت ہے۔ یہ جو کسی نے کہا ہے صدفی صد صحیح کہا ہے ۔

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

اگر معاشی نظام غلط ہے تو لوگ ڈھور ڈنگر بن کر رہ جائیں گے۔ انہیں اللہ سے لو لگانے کی فرصت کہاں ہوگی! جسے دو وقت کی روٹی حاصل کرنے کے لئے کمر توڑ دینے والی مشقت کرنا پڑتی ہو' جو آٹھ آٹھ اور دس دس گھنٹے اینٹیں ڈھو کر اپنے بچوں کے لئے دو وقت کی روٹی فراہم کرتا ہو' آپ سمجھتے ہیں کہ وہ رات اللہ کے حضور قیام و سجود میں بسر کرے گا اور دن کو روزہ رکھے گا؟ حدیث نبویؐ ہے کہ یکاد الفقر ان یکون کفرا یعنی قریب ہے کہ تنگدستی کفر میں تبدیل ہو جائے۔ چنانچہ آج انسان کی اصل ضرورت ایک نظامِ عدلِ اجتماعی کی ہے۔ اور اسلام کا نظام عدل اجتماعی معاشرتی' معاشی اور سیاسی سطح پر بہترین اور متوازن ترین نظام ہے۔ آج دنیا کو اس کی ضرورت ہے تاکہ انسان TRANQUILLITY کے اندر' سکون و اطمینان سے اپنی باطنی استعدادات اور صلاحیتیں بھی بروئے کار لا سکے۔ اسی نظم میں اقبال نے کہا ہے ۔

دیں مسلکِ زندگی کی تقویم
دیں سِرّ محمد و براہیمؑ !

دینِ اسلام کا مقصد در حقیقت زندگی کے راستے کو سیدھا کرنا ہے۔ نوعِ انسانی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے۔ دین اسے صراط مستقیم دیتا ہے.....اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ.....دین زندگی گزارنے کا سیدھا راستہ عطا کرتا ہے' جسے قرآن میں کہیں صراط مستقیم' کہیں صراط السوی اور کہیں سواء السبیل کہا گیا ہے۔ یہی دین حقیقتِ محمدی اور حقیقتِ براہیمی ہے۔ اس شعر کے بعد اقبال خاقانی کے دو اشعار پر اپنی نظم ختم کرتے ہیں

"دل در سخنِ محمدی بند اے پورِ علیؓ ز بو علی چند
چوں دیدۂ راہ بیں نداری قایدِ قرشی بہ از بخاری"

آج کی گفتگو کا سورۃ العلق کے ساتھ ربط و تعلق

اب آج کی اس گفتگو کے ساتھ سورۃ العلق کی ابتدائی آیات کا ربط بھی جوڑ لیجئے۔ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات علم کی اہمیت سے متعلق ہیں۔ آغاز ہی ہوا ہے لفظ 'اقرأ' کے

ساتھ ' پھر تیسری آیت کے آغاز میں بھی اس لفظ کو مکرر لایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تعلیم و تعلّم کو دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ احادیث مبارکہ میں علم کی فضیلت کو جس انداز میں نمایاں کیا گیا ہے اُس کا حوالہ اسی گفتگو میں دیا جا چکا ہے۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام اور اس کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج کے تعلیمی منصوبے دراصل اسی علمی کام کی جانب پیش رفت کی ایک کوشش ہے۔ واضح رہے کہ یہاں علمی کام سے مراد تعلیم و تعلّم کا وہ کام ہے جو حدیث مبارکہ کے الفاظ " لیحیی به الاسلام " کا کسی درجے میں مصداق بن سکے۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ ایسے دسیوں بیسیوں نہیں سینکڑوں ادارے وجود میں آئیں اور وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر قرآن و سنت کی رہنمائی کو پیش کیا جائے لیکن ظاہر بات ہے کہ ہم اپنے وسائل اور اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اللہ کے ہاں مکلّف ہیں۔ کوشش یہ ہے کہ اس کام کی ضرورت کا احساس دینی ذوق رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں اجاگر کیا جائے اور اپنی بساط کی حد تک علمی ادارہ قائم کر کے صحیح خطوط کی نشاندہی کر دی جائے۔ اللہ کی رحمت سے ہمیں قوی امید ہے کہ پھر چراغ سے چراغ جلیں گے اور وقت کی اس اہم ترین ضرورت کے پورا ہونے کا سامان فراہم ہو گا۔

سورۃ العلق کی چھٹی ساتویں اور آٹھویں آیت میں دراصل اس اہم حقیقت کی نقاب کشائی کی گئی ہے کہ انسان طغیانی ' سرکشی اور اپنے حدود سے تجاوز پر جو ہر دم آمادہ رہتا ہے تو اس کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے پوچھنے اور پکڑنے والا کوئی نہیں ہے۔ کوئی بالادست قوت اسے ایسی نظر نہیں آتی جو اسے ظلم و تعدی سے روک سکے ' وہ اپنے تئیں خود کو مستغنی سمجھتا ہے۔ اس صورت حال کا اصل علاج تو یہی ہے کہ آخرت کا یقین دلوں میں راسخ ہو ' جوابدہی کا احساس انسان کے عمل پر غالب آجائے۔ اور ظلم و طغیانی سے روکنے والی قوت خود انسان کے اندر پیدا ہو۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ ایمان و یقین کی یہ کیفیت تو ہر کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ معاشرے میں سرکشی و طغیانی کو روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے خارجی طور پر یہ اہتمام فرمایا ہے کہ انبیاء و رسل کے ذریعے وہ نظام عدل اجتماعی نوع انسانی کو عطا فرمایا جو معاشرے میں عدل و قسط کے قیام کا ضامن ہے۔ وہ نظام کہ جس میں نہ کسی کی حق تلفی ہوتی ہو اور نہ کوئی اپنے جائز حق سے زائد وصول کر سکے۔ افسوس ہے کہ اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی آج دنیا کے کسی بھی خطے میں قائم و نافذ نہیں ہے۔ اور مزید افسوس اس بات پر ہے کہ نہ صرف یہ کہ فرائض دینی کا تصور محض نماز ' روزہ ' حج اور زکوٰۃ تک محدود ہو گیا ہے اور اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کی ضرورت یعنی اقامت دین کی فرضیت کا احساس

مسلمانوں میں باقی نہیں رہا بلکہ سرے سے اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا خیال ہی محو ہو چکا ہے اور اسلام کا یہ دلکتا ہوا گوشہ خود مسلمانوں کی نگاہوں سے بھی اوجھل ہے۔ تنظیم اسلامی کا قیام دراصل دین اسلام کے غلبہ و سربلندی اور اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام ہی کی ایک کوشش ہے۔ ہم نے اللہ کی نصرت و تائید کے بھروسے پر اس راہ پر قدم رکھ دیا ہے' اپنی امکانی حد تک ہماری کوشش ہے کہ اس اہم دینی فریضے کی انجام دہی کے لئے وہی لائحہ عمل اختیار کریں جو سیرت مطہرہ کے مطالعے سے سامنے آتا ہے۔ خلوص دل کے ساتھ اس راہ کے صحیح خطوط کو اجاگر کرنا اور ان خطوط کے مطابق اپنی جدوجہد کو ممکنہ حد تک آگے بڑھانا ہماری ذمہ داری ہے' نتائج کا معاملہ کلی طور پر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا یہی ہے کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک خدمت قرآنی کے اسی کام کو کرنے اور اقامت دین کی اسی جدوجہد میں اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کی توفیق دیئے رکھے۔ اقول قولی هذا و استغفر الله لی و لکم و لسائر المسلمین و المسلمات۔

MANUFACTURER: ALL KIND OF ELECTRIC FANS

فائیو سٹار پنکھے
گوجرانوالہ

جی۔ٹی۔روڈ گوجرانوالہ فون: 51414 : 51313

خصوصی رعایتی پیشکش

پاکستان میں اسلامی انقلاب کے داعی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی درج ذیل تیس ۳۰ کتب کے مکمل سیٹ کا ہدیہ -/۲۵۰ روپے سے زائد بنتا ہے۔ رمضان المبارک کے دوران یہ سیٹ صرف -/۲۰۰ روپے میں دستیاب ہوگا۔ مزید برآں پاکستان میں کسی بھی جگہ منگوانے کے لیے ڈاک خرچ مبلغ -/۱۶ روپے بھی بذمہ ادارہ ہوگا۔

۱۔ منہج انقلاب نبوی
۲۔ توحید عملی
۳۔ قرآن حکیم کی سورتوں کا اجمالی تجزیہ
۴۔ رسول کامل
۵۔ عظمت صوم
۶۔ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
۷۔ اسلام میں عورت کا مقام
۸۔ راہ نجات سورۃ العصر کی روشنی میں
۹۔ اسلام کا معاشی نظام
۱۰۔ نبی اکرم کا مقصد بعثت
۱۱۔ علامہ اقبال اور ہم
۱۲۔ دعوت الی اللہ
۱۳۔ فلسفۂ قربانی
۱۴۔ آیت الکرسی ایک نشری تقریر
۱۵۔ قرآن اور امن عالم
۱۶۔ استحکام پاکستان
۱۷۔ فرائض دینی کا جامع تصور
۱۸۔ نبی اکرم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں
۱۹۔ معراج النبی
۲۰۔ شہید مظلوم
۲۱۔ سانحۂ کربلا
۲۲۔ استحکام پاکستان اور مسئلۂ سندھ
۲۳۔ تنظیم اسلامی کی دعوت
۲۴۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ
۲۵۔ اسوۂ رسول
۲۶۔ شادی بیاہ کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک
۲۷۔ جہاد بالقرآن
۲۸۔ قرب الٰہی کے دو مراتب
۲۹۔ ماہنامہ میثاق
۳۰۔ ماہنامہ حکمت قرآن

آرڈر کے ہمراہ مطلوبہ رقم کا بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی رسید ارسال کیجئے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن : ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: ۸۵۶۰۰۳ / ۸۵۶۰۰۴

رپورتاژ

قِرانُ السّعدین

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سترھویں سالانہ اجلاس اور تنظیم اسلامی کے چودھویں سالانہ اجتماع کی رُوداد

اسلام کے انقلابی فکر کی حامل تحریک کا ایک قافلہ اپنے چودھویں پڑاؤ پر پہنچا تو ایک جشن کا ساسماں تھا مسببّ الاسباب نے اگر اس کا سامان کر دیا تو احسان شناسی اور شکر گزاری کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی جائے جس نے اپنے بندے اور اسلام کے کروڑوں نام لیواؤں میں سے ایک عام کلمہ گو کے دل میں احساس فرض کی چنگاری کو شعلۂ جوّالہ بنا دیا جو کسی ادعا کے بغیر اور "انی من المسلمین" کہتے ہوئے اللہ کے بندوں کو ان کے رب کی طرف بلاتا رہا۔ تنظیم اسلامی فرد واحد کی پکار پر جمع ہونے والوں کی انقلابی جماعت ہے جو سالہا سال اپنی ذات میں انجمن تھا۔ بندگان خدا کے تعاون کے احسان کا زیر بار ہوئے بغیر محض توفیق و تائید الٰہی سے تن تنہا رجوع الی القرآن کا آوازہ بلند کرنے کے بعد اسے اعوان و انصار میسر آئے تو انہیں انجمن خدام القرآن کی لڑی میں پرو دیا لیکن یہ اس کی منزل نہ تھی۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تاسیس فی الحقیقت تیاری کا ایک مرحلہ تھا جس میں فرائض دینی کا شعور ہدایت کے اصل سرچشمے 'قرآن مجید سے پختہ کیا گیا۔ اسی نرسری سے تنظیم اسلامی کو پودوں کی وہ پہلی کھیپ ملی جنہیں زمین میں جڑ پکڑے چودہ سال ہو گئے ہیں۔ اس نرسری کی اہمیت اب بھی کم نہیں ہوئی بلکہ اس میں توسیع کا عمل جاری ہے۔ اب تو اس میں قرآن مجید کی انقلابی دعوت کے بیج بونے سے کام شروع ہوتا ہے۔ قرآن کالج کو بجا طور پر تخم ریزی کا مرحلہ 'قرآن اکیڈمی کو سر سری اور محاضرت قرآنی کو (جن کا شکوہ اولین سالوں میں قرآن کانفرنسوں کے عنوان سے ذہنوں میں محفوظ ہے) خود ساختہ نظریات کے جنگل میں فکر قرآنی کے اس شجر طیبہ کی رونمائی قرار دیا جا سکتا ہے جس کی جڑیں قرآنی تمثیل کے مطابق مضبوطی سے زمین کی گہرائی میں اتری ہوئی اور شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔

مارچ ۱۹۸۹ء کے آخری ہفتے لاہور میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سترہویں سالانہ جلسے اور تنظیم اسلامی کے چودھویں سالانہ اجتماع کا قران السعدین ہوا تو انجمن کے محاضرات قرآنی اور تنظیم کی مرکزی تربیت گاہ کے مربوط پروگرام نے اس موقعہ کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے۔ تنظیم اسلامی کے انقلابی فکر کا محور قرآن مجید اور اسوۂ رسول ہے اور انجمن خدام القرآن دعوت رجوع الی القرآن کی نقیب۔ انجمن کے کوئے یار سے نکل کر ان ذہنوں کو جنہیں حکمت قرآنی نے جلا بخشی ہو' راہ میں کوئی مقام جچتا ہی نہیں' وہ سوئے دار جانے کے لئے تنظیم اسلامی کا رخ کرتے اور اس وقت کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے میں مشغول رہتے ہیں جب اللہ کا دین ان سے ہجرت وجہاد کا مطالبہ کرے گا۔ ہجرت وجہاد تو اسی لمحے زندگی کا جزو لاینفک بن جاتے ہیں جس لمحے مسلمان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو جائے لیکن پہلے مرحلہ میں کشمکش اپنے نفس سے' گھر کے اندر اور قریبی معاشرتی دائرے میں برپا ہوتی ہے' تاہم وہ مراحل بھی درپیش ہو کر رہیں گے جب نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلنا ہو گا۔ ان سے مفر ممکن نہیں کہ منزل کے نشانات یہی تو ہیں۔ یوں انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی میں باہم وہی تعلق ہے جو عزم سفر اور خود سفر میں پایا جاتا ہے۔

تنظیم اسلامی کے چودھویں سالانہ اجتماع کے سلسلہ میں یہ طے ہوا تھا کہ ۲۹' ۳۰ر مارچ ۸۹ء کو قرآن آڈیٹوریم کی زیر تعمیر عمارت میں اس کا انعقاد ہو۔ یہ بھی طے ہوا کہ اس سے متصلاً قبل ایک شش روزہ تربیت گاہ ۲۳ر مارچ سے ۲۸ر مارچ ۸۹ء جاری رہے۔ جس میں ایسے تمام رفقاء شریک ہوں جو ابتدائی تربیتی نصاب یعنی رفیق مبتدی کے لئے مجوزہ لٹریچر کا مطالعہ اور استماع کیسٹس مکمل کر چکے ہوں۔ گذشتہ سال کے دوران رفقائے تنظیم کے مابین درجہ بندی قائم کرنے کیلئے جو منصوبہ بنایا گیا' تربیتی تنظیمی نصاب برائے رفیق مبتدی اسی سلسلے کی کڑی تھا۔ اسی کی تکمیل اور آئندہ مرحلہ کی طرف پیش قدمی کیلئے اس تربیت گاہ میں شرکت ضروری تھی۔ اس بات کا بھی شدت سے احساس موجود تھا کہ رفقائے تنظیم اسلامی نے جہاں اپنے داعی اور امیر کے پیش کردہ دین کے ہمہ گیر تصور اور فرائض دینی سے متعلق فکر کو انشراح صدر کے ساتھ قبول کیا ہے اور اس کو سمجھنے سمجھانے میں دل وجان سے مصروف ہیں وہاں بعض کو موصوف کے عمرانی فکر اور اس کی بناء پر ملکی اور سیاسی امور سے متعلق آراء اور تجزیوں کو سمجھنے میں دقت پیش آ رہی ہے۔ اس ضمن میں افہام وتفہیم کیلئے مختلف سطح پر محنت کی جاتی رہی ہے' تاہم اس تربیت گاہ کا اصل موضوع اور عنوان ہی یہ مقصد قرار پایا۔ کہ امیر ومامورین کے درمیان پائی جانے والی اس خلیج کو پر کیا جائے۔ امیر تنظیم' ڈاکٹر اسرار احمد

صاحب کی خواہش تھی کہ ان کی دعوت پر لبیک کہنے والے ان حالات کا ادراک بھی رکھتے ہوں جن سے پاکستان دوچار ہے۔ بنیادی طور پر ان کا دائرہ کار پاکستان ہے جس میں نظریات اور سیاسی محرکات کی کتنی ہی موجیں اٹھتی رہتی ہیں' اسلام کی انقلابی دعوت مروجہ سیاست میں ملوث ہوئے بغیر بھی جن سے آنکھیں دوچار کرنے پر مجبور ہے۔ حسن اتفاق سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام سالانہ محاضرات قرآنی کا انعقاد بھی انہی ایام میں طے ہوا تھا اور ان مجالس کا مجموعی عنوان بھی اسلام کا نظام عدل اجتماعی تھا۔ سماجی معاشرتی معاشی اور سیاسی میدان میں نظام عدل وقسط کے قیام کے موضوعات پر جناب امیر تنظیم اسلامی کے مفصل خطابات کا پروگرام تھا اور ان کی مزید تشریح وتفہیم کیلئے یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ موضوع کی مناسبت سے اصحاب علم وفضل کو شرکت کی دعوت دی جائے گی تاکہ ان کی جانب سے استفسارات کے جواب میں متعلقہ موضوعات کے مزید گوشے نکھر کر سامنے آجائیں۔ محاضرات قرآنی کی یہ مجالس بھی تنظیم اسلامی کی تربیت گاہ کا ایک حصہ شمار ہوئیں۔

الحمدللہ پروگرام کے مطابق مختلف مقامات سے رفقائے تنظیم اسلامی ۲۳ر مارچ قبل دوپہر ہی قرآن اکیڈمی لاہور میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ لاہور کے اکثر رفقاء انتظامات میں مشغول رہے۔ دیگر احباب ورفقاء کیلئے باہم ملاقات اور تبادلہ خیالات کا بہترین موقع تھا۔ اس روز شام کے اوقات میں جناب امیر محترم کے دو خطابات کے وڈیو کیسٹس دکھانے کا اہتمام کیا گیا۔ مجلس مشاورت کے اراکین بعض اہم امور پر غور اور فیصلہ کیلئے مجلس مشاورت کے ایک ہنگامی اجلاس میں جمع رہے۔ دوسرے روز ۲۴ر مارچ جمعۃ المبارک کی مصروفیات تھیں اور احباب ورفقاء نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر محترم کا خطاب جمعہ سنا۔ باغ جناح کے پرفضا ماحول میں واقع مسجد دارالسلام میں پچھلے دنوں جمعہ کے پرہجوم اجتماعات میں جناب امیر محترم نے تیسویں پارہ کے آخری حصہ کی سورتوں کے مضامین کی تشریح وتفہیم کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا اور اس جمعہ سورہ علق کا بیان جاری تھا۔ انہوں نے اس حوالہ سے علم کی فضیلت بیان کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں عبادت اور علم کے درمیان نسبت وتناسب کا تذکرہ فرمایا۔ آپ نے حضور اکرمؐ کی بیان کردہ دو مثالوں کا تذکرہ کیا کہ علم اور نفلی عبادت میں وہی نسبت ہے جو ماہ کامل اور عام ستاروں میں ہے۔ مزید برآں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ علم کی فضیلت اسی نسبت سے ہے جو نسبت مجھے (حضورؐ) آپ (صحابہ کرامؓ) میں سے کسی ادنیٰ پر فضیلت ہے۔ گویا علم کی فضیلت بے اندازہ وبے حساب ہے۔ جناب امیر محترم کا یہ خطاب جمعہ اس پہلو سے محاضرات قرآنی' تربیت گاہ

اور سالانہ اجتماع کی تقریبات کیلئے بہت عمدہ تمہید بن گیا' علم کے بارے مفصل گفتگو اس خطاب جمعہ میں ہو گئی اور انسانی زندگی کے عملی پہلو میں توازن واعتدال محاضرات کی مجالس کا خاص موضوع تھا۔

محاضرات قرآنی کی پانچ روزہ مجالس ۲۴ر مارچ تا ۲۸ر مارچ ۸۹ء روزانہ بعد نماز مغرب تا بعد عشاء جناح ہال لاہور میں منعقد ہوئیں۔ رفقائے تنظیم اسلامی کے علاوہ شائقین علم کی ایک کثیر تعداد ان محافل میں شرکت کرتی رہی۔ ابتداء ہی میں ہال کھچا کھچ بھر جاتا اور ہال میں اضافی نشستوں اور اسٹیج و درمیانی جگہوں پر بیٹھنے کیلئے دریوں کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ ملحقہ گیلریوں میں بھی ہجوم کی کیفیت رہی۔ امیر محترم نے روزانہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے خطاب میں جامعیت کے ساتھ موضوع کو سمیٹا اور بعد ازاں کم وبیش اتنا ہی وقت سوال وجواب کیلئے وقف تھا۔ موضوع کی مناسبت سے اصحاب علم وفضل اور ماہرین کو شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ الحمدللہ ان کی جانب سے استفسارات کے جوابات میں موضوع زیر بحث کے کئی گوشے واضح ہوئے اور اختصار کی وجہ سے اگر کوئی خلارہ گیا تھا تو اس کی بھی تلافی ہوئی۔ محاضرات کے پہلے روز کا موضوع "اسلام میں عدل وقسط کی اہمیت" تھا۔ محترم امیر تنظیم اسلامی نے انسانی زندگی کے عملی پہلو اور ان کی ضمن میں اعلیٰ اقدار کا مفصل تذکرہ فرمایا۔ انفرادی سطح پر انبیائے کرام کی شخصیتوں میں اخلاقیات انسانی کے عمدہ نمونے نوع انسانی کی متاع تھیں' لیکن سیرت محمدیؐ کا تکمیلی پہلو یہ تھا کہ جملہ مکارم اخلاق ایک جامعیت اور توازن کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ میں موجود تھے اور آپ کا عظیم کارنامہ یہ تھا کہ اجتماعیات انسانی کی بہترین اقدار کو اعتدال وتوازن کے ساتھ جمع کر کے ایک نظام اجتماعی کی صورت میں بالفعل نافذ کر دیا نوع انسانی کا اجتماعی ضمیر حریت ومساوات کی واخوت کی تلاش میں سرگرداں رہا ہے۔ جن میں عدم توازن کی وجہ سے نوع انسانی نے بہت ٹھوکریں کھائیں۔ اسلام نے اجتماعیت کی مختلف سطحوں میں اعتدال وتوازن اور عدل وقسط کی کیفیت کس طرح قائم کی' محاضرات قرآنی کی آئندہ تین روز کی نشستوں میں ان پر بھرپور بحث ہوئی۔ خاندان اور معاشرہ کی سطح پر حقوق وفرائض میں توازن پر اسلام کی رہنمائی ۲۵ر مارچ کی نشست کا موضوع تھی۔ اسلام کے معاشی نظام کے ضمن میں جو اہداف متعین کئے گئے ہیں اور جن اقدار کو بڑھانا مقصود ہے' ان کے متعلق ۲۶ر مارچ کی مجلس میں بحث ہوئی۔ سیاسی نظام پر ۲۷ر مارچ کو گفتگو ہوئی۔ امیر محترم نے بتایا کہ تمدنی ارتقاء کو اسلامی اصولوں کے مطابق اس نظام میں سمویا جاسکتا ہے کیونکہ اگرچہ دو ٹوک احکام نہیں ہیں لیکن حدود متعین ہیں۔ اصول عطا کر دیئے گئے ہیں۔ محاضرات قرآنی

کے آخری روز ۲۸ر مارچ کی نشست کا موضوع "نظام عدل وقسط کے قیام کا نبوی طریق کار" تھا۔ جناب امیر تنظیم اسلامی نے پر ہجوم محفل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ماخوذ انقلابی طریقہ کار کے تمام مراحل کا تذکرہ فرمایا اور واضح کیا کہ اسلام کے نظام عدل واجتماعی کے قیام کیلئے صرف وہی کوشش بار آور ہو سکتی ہے جس کی بنیاد وہ منہج انقلاب ہو جس کے خدوخال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ میں دستیاب ہیں۔ محاضرات قرآنی کی یہ محفلیں تنظیم اسلامی کی تربیت گاہ کے شام کے پروگرام تھیں اور الحمدللہ رفقائے تنظیم نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔

محاضرات کی ان مجالس میں مستفسرین کے طور پر جن اصحاب علم وفضل کو دعوت دی گئی تھی' ان میں سے اکثر نے پوری دل جمعی کے ساتھ مقرر کو سنا اور گواہی دی کہ اسلام کے نظام زندگی کو پیش کرنے کا ایک موثر اسلوب ان کے سامنے آیا ہے۔ ان میں سے جن کا تعلق جدید تعلیم یافتہ طبقے سے تھا' انہوں نے ایک خوشگوار حیرت کا اظہار بھی کیا۔ دین کی "فرسودہ باتیں" مولوی نظر آنے والے ایک شخص کی زبانی انہیں نئی نئی سی لگیں۔ جدید اصطلاحات میں "مذہب" کی برکات کا بیان کب انہوں نے سنا تھا اور اس طرف قبل ازیں ان کی توجہ شاید ہوئی نہ تھی کہ اسلام میں نماز روزہ سے بڑھ کر بھی کوئی خوبی ہے۔

تربیت گاہ کی صبح کی نشستیں چار روز ۲۵ر مارچ تا ۲۸ر مارچ صبح ساڑھے آٹھ بجے تا نماز ظہر منعقد ہوئیں۔ جن میں ڈھائی سو کے لگ بھگ ساتھی قلم اور کاپیاں ساتھ لے کر طالب علمانہ انداز میں شریک ہوئے۔ ماحول بھی کلاس روم کا سا تھا۔ ان کے دو حصے تھے۔ نصف اول میں امیر تنظیم اسلامی اپنی سوچ اور فکر کے بعض پہلو رفقاء کے سامنے رکھتے رہے اور ان کی بعض تحریروں کا اجتماعی مطالعہ بھی ہوا۔ نصف آخر میں جناب سراج الحق سید صاحب نے اپنے وضع کردہ مخصوص طریق تعلیم کے مطابق تنظیم اسلامی سے متعلق بعض کورسز سے رفقاء کو گذارا۔ ۲۵ر مارچ صبح امیر محترم نے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ "میری سوچ اور فکر کا ایک حصہ ٹھیٹھ دینی اور کتاب وسنت کی روشنی میں واضح ہے' یعنی دین کیا ہے اور فرائض دینی کا جامع تصور کیا؟ اس کے لئے قرآنی مجید کا ایک منتخب نصاب تیار کیا گیا اور ابتدائی دس بارہ سال تو صرف اسی کی تفہیم وتبیین میں صرف ہوئے۔ الحمدللہ رفقائے تنظیم اسلامی نے اس کو سمجھا ہے' ذہناً اور قلباً اس کو قبول کیا ہے اور جو لوگ میرے دست وبازو بنے ہیں وہ اسے خوش اسلوبی سے آگے پہنچانے اور پھیلانے کی استعداد بھی پیدا کر چکے ہیں۔ میری سوچ کا دوسرا حصہ میرے عمرانی فکر (SOCIAL THOUGHT) سے متعلق ہے۔

امیر تنظیم نے بتایا کہ اس اعتبار سے میں ترقی پسند (PROGRESSIVE) ہوں۔ میں پچھلے کئی سال سے اپنی اس سوچ کو واضح انداز میں بیان کرتا رہا ہوں۔ اس تربیت گاہ اور محاضرات قرآنی میں اسی سے متعلق گفتگو پیش نظر ہے۔ میری سوچ اور فکر کے اس حصہ کو اگرچہ بیشتر رفقاء نے ذہناً قبول کیا ہے، لیکن ان کی تفہیم میں بھی وہ گہرائی اور گیرائی نہیں جو مطلوب ہے، تاہم اس عمرانی فکر کے عملی نتائج اور ملکی وسیاسی صورتحال پر اس کے انطباق کو رفقاء کی معتدبہ تعداد سمجھ نہیں سکی، چنانچہ وہ میرے سیاسی تبصروں اور تجزیوں کے ضمن میں پریشانی اور الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ موصوف نے اپنے عمرانی فکر کی بھرپور وضاحت فرمائی تاکہ رفقاء اس کو شعوری طور پر سوچ سمجھ کر قبول کریں اور انشراح صدر کے ساتھ اس سوچ کے ساتھ چل سکیں۔ محترم امیر تنظیم نے اولاً اس شعبہ فکر کی اہمیت کو واضح کرنے کیلئے علم کی اقسام، ان کے سرچشموں، ہر شعبہ علم کی اہمیت اور باہم ربط و تعلق اور ان کی موجودہ کیفیت کا ایک مفصل اور مکمل خاکہ رفقاء کے سامنے رکھا اور بحث کے نتیجہ کے طور پر یہ بات بتائی کہ خالص سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم تو از خود ترقی پذیر ہے۔ البتہ معروف معنوں میں خالص علم دین زوال پذیر ہے اور دینی مدارس میں بس چل رہا ہے، تاہم علم الکلام مابعد الطبیعات (METAPHYSICS) اور حکمت اصول (ایمانی) کے امتزاج سے ابھرتا ہے، انتہائی اہم ہے کیونکہ اسی سے فکری دھارے جنم لیتے ہیں اور معاشرے کو متاثر کرتے ہیں۔

ہماری تاریخ میں قریباً سات سو سال تک علماء نے اس کا ساتھ دیا، لیکن گذشتہ سات سو سال سے یہ مے خانے بند ہیں اور اب اصل کرنے کا کام یہ ہے کہ نیا علم الکلام وجود میں آئے۔ اسی طرح عمرانیات کے میدان میں اسلامی اقتصادیات، اسلامی سماجیات اور اسلامی سیاسیات پر بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اسلاف نے اس میدان میں جو کچھ کام کیا اسے آگے بڑھانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے ان پہلوؤں پر اپنے فکر کے منابع کا تذکرہ فرمایا اور موجودہ حالات پر اس کے انطباق کی وضاحت کیلئے ۲۱ر اپریل ۱۹۸۶ء کو یوم اقبالؒ کے موقع پر مجلس اقبالؒ کے زیر اہتمام اپنے خطبہ کا اجتماعی مطالعہ کروایا۔ تربیت گاہ کی باقی ماندہ نشستوں میں بھی موصوف نے اپنی بعض نئی اور پرانی تحریروں کا اجتماعی مطالعہ کرایا اور ساتھ ساتھ حسب ضرورت وضاحت بھی کی۔

جناب سراج الحق سید نے تربیت گاہ میں تنظیم اسلامی کے تنظیمی ڈھانچہ، ذمہ داریوں، رابطہ کے ذرائع (COMMUNICATION CHANNELS) اور اختلاف رائے کو حل کرنے کے طریقوں پر اپنے مخصوص سائنسی انداز میں رفقاء کو لیکچر دیئے۔ جن میں سلائیڈوں اور

پروجیکٹر کو بھی استعمال کیا۔ انہوں نے مطالعہ کے طریقہ کا جدید اسلوب پیش کیا۔ مقاصد' احتیاطیں اور زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرنے کا انداز وضاحت سے بیان کیا اور "قرآن مجید کے حقوق" کے ابتدائی حصہ کا اجتماعی مطالعہ کروا کے اپنے طریق کار کی عملی وضاحت فرمائی۔ الحمدللہ یہ پروگرام انتہائی مفید رہا۔

تربیت گاہ اور محاضرات قرآنی کے تسلسل میں ہی تنظیم اسلامی کا چودھواں سالانہ اجتماع ۲۹ اور ۳۰ر مارچ کو قرآن اکیڈمی میں شروع ہوا۔ یہ قافلہ ابھی دعوت' تنظیم اور تربیت کے مرحلے میں ہے اور اپنے کام کا جائزہ لینے کے لئے اسے کنج تنہائی کی ضرورت تھی۔ ذوق خودنمائی تو تیاری کے مرحلے میں تحریک کیلئے سم قاتل ثابت ہوتا ہے۔ خام مال کو بازار میں لا کر پھینک دیا جائے تو پختگی پیدا کرنے کی ضرورت کا احساس نہیں رہتا' چنانچہ شرکاء اکیڈمی' قرآن کالج اور زیر تعمیر قرآن آڈیٹوریم کی عمارات میں سمٹ گئے تھے' جبکہ اجتماع کی نشستوں کے لئے اکیڈمی کی مسجد کے وسیع ہال کو استعمال میں لایا گیا۔ رفقاء کے چھوٹے بڑے قافلے ۲۸ر مارچ بعد دوپہر آنے شروع ہوئے اور رات گئے تک بیرونی رفقاء کی ایک کثیر تعداد اجتماع گاہ میں پہنچ کر قیام گاہوں کی تنگی کا مداوا دلوں میں ایک دوسرے کو بٹھا کر بڑی خوبی سے کر چکی تھی۔ لاہور کے ساتھیوں کی ایک معقول تعداد چونکہ انتظامی معاملات اور بھاگ دوڑ میں مصروف تھی اور گذشتہ شب محاضرات کی مجلس بھی دس بجے ختم ہو سکی' لہٰذا انہیں یہ رعایت تھی کہ ۲۹ر کی صبح پہنچ جائیں۔

اندرون ملک کراچی' حیدر آباد' ٹنڈو الہ یار' نواب شاہ' سکھر' کوئٹہ' صادق آباد' رحیم یار خان' بہاولپور' شجاع آباد' ملتان' وہاڑی' مظفر گڑھ' میانوالی' سرگودھا' جھنگ' فیصل آباد' شیخوپورہ' چکوال' گوجرانوالہ' گجرات' سیالکوٹ' ڈسکہ' لالہ موسیٰ' راولپنڈی' اسلام آباد' پشاور' باجوڑ اور میرپور (آزاد کشمیر) سے چار سو دس (۴۱۰) رفقاء' لاہور سے ۱۶۷ ساتھی اور کینیڈا' امریکہ' لندن' مصر' سعودی عرب اور ابوظہبی سے ۳۳ رفقاء سالانہ اجتماع میں ہمہ وقت مقیم اور شریک رہے۔

اجتماع کی پہلی باقاعدہ نشست کا آغاز ۲۹ر مارچ کو صبح نو بجے ہوا۔ حافظ محمد رفیق صاحب نے تلاوت کلام پاک کے بعد ترجمہ بیان کیا۔ اس کے بعد اس نشست میں اندرون پاکستان اور بیرون پاکستان تنظیم اسلامی کی دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں سے متعلق مختصر رپورٹیں پیش کی گئیں۔ جن میں کارناموں سے زیادہ کوتاہیوں پر زور تھا' افتخار سے زیادہ انکسار کا اظہار تھا اور کارکردگی کے مبالغہ آمیز اعداد و شمار پیش کرنے کی بجائے شعوری کوشش یہ تھی کہ توفیق کی

جتنی کچھ ارزانی میسر آئی اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا جائے۔ اور اسی سے دعا کی جارہی تھی کہ ہمارے احساس فرض کو مہمیز دے تاکہ دین کی خدمت اور اس کے غلبہ کی جدوجہد کے ذریعے ہم اپنی نجات اخروی کا سامان کر سکیں۔ تکبیر رب میں اپنا مال اور اپنی جان کھپانا بندوں کی ضرورت ہے' خود اللہ تعالیٰ تو ایسی کسی خدمت کے محتاج نہیں۔ چائے کے وقفہ کے بعد گیارہ بجے سے رفقاء تنظیم کو اظہار خیال کا موقع دیا گیا۔ تنظیم اسلامی میں مشاورت کے طے شدہ قواعد وضوابط کے علاوہ سال کے دوران ایک ایسا اجتماع بھی منعقد ہوتا ہے جس میں بلا امتیاز تمام رفقاء کو تنظیمی امور سمیت کسی بھی اہم مسئلہ کے بارے میں اظہار رائے کا موقع دیا جاتا ہے۔ گذشتہ سال کے دوران اس طرح کا اجتماع منعقد نہیں ہو سکا تھا' لہٰذا اس کی تلافی کیلئے سالانہ اجتماع میں اس کا موقع پیدا کیا گیا۔ یہ اظہار خیال شام کی نشستوں میں بھی جاری رہا۔ رفقاء نے مختلف موضوعات پر اپنی رائے پیش کی' ملکی اور سیاسی حالات کے بارے میں خیالات کا اظہار کیا' امیر محترم کے سیاسی تجزیوں اور تبصروں پر اپنا نقطہ نظر پیش کیا اور بعض پہلوؤں سے اشکالات بلکہ اعتراضات بھی سامنے آئے۔ بیرون پاکستان کے رفقاء میں سے بھی کئی ساتھیوں نے اپنے مسائل اور ملکی وملی امور پر رائے دی۔ رفقاء کے اس اظہار خیال سے مقصود یہ تھا کہ رفقاء کے خیالات سے استفادہ کیا جائے اور جہاں ضروری ہو' افہام وتفہیم کی کوشش بھی کی جائے۔ امیر محترم نے رفقاء کی آراء کو سنا اور ضروری امور کے بارے میں اختتامی تقریر میں وضاحتیں فرمائیں۔

۳۰ر مارچ کو صبح کی نشست میں اولاً میاں محمد نعیم صاحب نے جو ناظم اعلیٰ تھے اور اب ناظم تربیت مقرر ہوئے ہیں' آئندہ سال کے دوران دعوتی وتربیتی پروگراموں کا مجوزہ نقشہ پیش کیا اور رفقاء کو ضروری ہدایات دیں۔ جناب امیر محترم کی ہدایت پر یہ طے کیا گیا کہ آئندہ تین ماہ کے دوران مبتدی نصاب کے سلسلہ میں ایک ہنگامی پروگرام ترتیب دے کر کوشش کی جائے کہ رفقائے تنظیم کی موجودہ پوری تعداد اس میں سے گزر جائے۔ اس نشست کے بقیہ حصہ میں امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے رفقاء سے مفصل خطاب فرمایا۔ اولاً انہوں نے سورہ نور کی آخری چند آیات اور منتخب احادیث مبارکہ کے حوالہ سے اسلامی نظم جماعت کی تشریح فرمائی اور اس کے بعد جماعت اور تنظیم سازی کے سلسلہ میں بعض بنیادی باتوں کا تذکرہ کیا۔ آپ نے بتایا کہ جماعت بنانا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ہے اور اسے بیعت کی بنیاد پر استوار کرنا تو سوا مشکل ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری خواہش یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت وجود میں آئے جس میں آزاد اور کھلی فضا موجود رہے۔ تنقید کا بھرپور موقع ہو' لوگ خود سوچیں

سمجھیں اور غور و فکر کے بعد انشراح صدر کے ساتھ پیش قدمی کریں۔ اسی سے ان کی صلاحیتیں بیدار ہوں گی اور کام کی رفتار بڑھے گی۔ اس طرح کی جماعت بنانا جوئے شیر لانا ہے۔ اس کیلئے رفقاء کی تربیت درکار ہے۔ اختلاف رائے اور تنقید کے کچھ آداب و شرائط کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہوتا ہے جن میں اہم ترین بات یہ ہے کہ اختلاف رائے کے باوجود عمل تنظیمی فیصلہ کے مطابق جاری رہے' تاوقتیکہ وہ رفیق اس نظم سے وابستگی ختم کرنے کا فیصلہ کر لے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ کئی پہلوؤں سے ابھی ہم بہت پیچھے ہیں اور باہم مواخات کی کیفیت بھی توجہ طلب ہے۔

ملکی سیاست کے حوالے سے امیر تنظیم نے فرمایا کہ مروجہ انتخابی سیاست سے کنارہ کشی کا فیصلہ تنظیم اسلامی نے سوچ سمجھ کر کیا اور اسی پر قائم ہے۔ ایک اصولی اسلامی انقلابی تحریک گھٹیا سیاست میں ملوث ہونے کا تو سوچ بھی نہیں سکتی لیکن نظری سیاست سے پرہیز کر کے انقلاب برپا کرنے کا خیال تو محال بلکہ جنوں ہے۔ اقامت دین کی جدوجہد میں شریک مسلمانوں کے لئے ملک و قوم کے معاملات میں دلچسپی لئے بغیر اپنے کام کے لئے مواقع پیدا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پاکستانی مسلمانوں کا معاملہ تو خاص ہے۔ اس ملک کے وجود میں آنے اور حالات کی ناسازگاری جس میں قوم کی اپنی نالائقی کا دخل کچھ زیادہ ہی ہے اور دشمنوں کے بغض و عناد کے باوجود اس کے قائم رہنے میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس خطہ زمین سے کوئی خاص کام لینا ہے۔ اس تناظر میں انہوں نے فرمایا کہ سیاسی معاملات میں بروقت رائے ظاہر کرنا اور بے لاگ تجزیئے پیش کرنا ہمارے لئے حب وطن ہی کا تقاضا نہیں' ہمارے تنظیمی مقاصد کے لئے بھی لزوم کا درجہ رکھتا ہے۔ ان سیاسی غلطیوں کی نشاندہی ہمارا فرض ہے جو تباہ کن نتائج پیدا کرتی ہیں۔ اظہار رائے کے دوران بعض رفقاء کی طرف سے جو اعتراضات اٹھائے گئے تھے ان کے حوالے سے امیر تنظیم نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان مبارک کہ دین تو نام ہی نصیحت و خیر خواہی کا ہے' آخر کس سیاق و سباق میں سمجھا جا رہا ہے؟۔ نصیحت کو تو اکثر لوگ سننے کے بھی روادار نہیں ہوتے اور نصیحت و خیر خواہی کے حقیقی ضرورتمند کب چل کر آپ کے پاس آتے ہیں کہ ہماری غلطیوں کو چھانٹ پھٹک کر ہمارے سامنے رکھئے اور ہمیں خیر خواہانہ مشورے عنایت کیجئے۔ ملک کے موجودہ حالات کے ضمن میں امیر تنظیم نے مذہبی سیاست کی بے اعتدالی و بے تدبیری' سندھ کی عمومی صورتحال میں نزاکت کے پہلو جہاں برصغیر میں ہی نہیں' پورے جنوب مشرقی ایشیا میں اسلام کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے اور دوسرے اہم ملکی مسائل کا تذکرہ کیا اور رفقاء کو ہدایت کی کہ وہ تنظیم کے موقف اور اس میں پوشیدہ

حکمت سے آگاہ رہنے کے لئے ان کی تقاریر کے پورے متن اور متعلقہ تحریروں کو باقاعدگی سے زیر مطالعہ رکھیں۔ اس صورت میں انہیں انشاءاللہ کوئی الجھن نہ ہوگی کیونکہ سیاسی مصلحتوں کا لحاظ اور سیاسی فوائد کا حصول بہرحال تنظیم اسلامی کے پیش نظر نہیں۔ یہ الوداعی خطاب تقریباً دو بجے دوپہر ختم ہوا۔

کہا جاسکتا ہے کہ تنظیم اسلامی کا چودھواں سالانہ اجتماع ۳۰ر مارچ کو نماز ظہر اور دوپہر کے کھانے کے بعد اختتام کو پہنچ گیا لیکن مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سترہویں سالانہ جلسے کی تقریب کا ذکر کئے بغیر یہ روداد مکمل نہ ہوگی جس کے بعد نماز مغرب منعقد ہونے والے عام اجلاس میں تنظیم اسلامی کے رفقاء نے بھی شرکت کی۔ یہ اجلاس جو زیر تعمیر قرآن آڈیٹوریم کے (فی الحال چھت سے محروم) وسیع ہال میں منعقد ہوا، تنظیم کے بزرگ رفیق اور انجمن خدام القرآن سندھ کے صدر جناب سراج الحق سید کے بقول اس اعتبار سے بھی یادگار رہے گا کہ اس میں انجمن اور تنظیم کے درمیان رہی سہی اجنبیت کی دیوار بھی منہدم ہوگئی۔ ان کا علیحدہ علیحدہ تشخص تو برقرار ہے اور رہے گا لیکن ایک ہزار سے زائد شرکاء نے بچشم سر دیکھا اور دلوں کی گہرائی میں محسوس کیا کہ یہ ایک ہی تصویر کے دو رخ، ایک ہی دعوت کے دو پہلو اور ایک ہی نغمے کے دو ساز ہیں۔ جلسہ کے پروگرام میں تلاوت قرآن پاک، اس کے ترجمہ اور ایک پاکیزہ نعت کے علاوہ جو انجمن کی کسی تقریب میں بھی پہلی بار پیش کی گئی، تنظیم اسلامی کے امیر اور انجمن کے صدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک مختصر لیکن جامع تقریر شامل تھی۔ بھارت کی بالادستی کا خوف قوم کی رگ وپے میں سرایت ہوا جارہا ہے۔ ہمارے لیڈران کرام ایک طرف سری نگر اور دہلی کے راستے کھل جانے کی نوید سناتے اور لال قلعہ پر سبز ہلالی پرچم لہرانے کے عزم کا اعلان کرتے ہیں تو دوسری طرف بھارت کی طرف سے ثقافتی یلغار سے لرزہ براندام ہیں۔ چاہتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان فصیلیں اور اونچی کردی جائیں حالانکہ کسے خبر نہیں کہ بھارتی ثقافت کا حملہ تو فن اور فنکاروں کے ذریعے اور ویڈیو کیسٹ کے راستے قوم کو پہلے ہی فتح کرچکا ہے۔ ایسے میں ڈاکٹر اسرار احمد کے لئے جن کی روشنی طبع قرآن حکیم کے نور سے مستعار ہے، بھارت کی بالادستی کے سدباب کا قرآنی طریق ہی موقع کی مناسبت سے موزوں ترین موضوع تھا۔

اس تقریر کا متن توانشاءاللہ کسی اگلی فرصت میں "میثاق" کی زینت بنے گا۔ خلاصہ یہ تھا کہ جارحیت سب سے موثر دفاع ہوتا ہے۔ ہمارے پاس نام نہاد اور حیاباختہ ثقافت کا مقابلہ کرنے بلکہ بھارت پر چڑھ دوڑنے کے لئے ایک بہت بڑا ہتھیار موجود ہے۔ ہم عصائے موسیٰ

بغل میں رکھ کر ساحروں کی چھڑیوں اور رسیوں سے ڈر رہے ہیں تو اس لئے کہ عصائے موسیٰ کی تاثیر ہمارے حافظہ سے اتر گئی ہے۔ "در بغل داری کتاب زندہ ای" لیکن جزدان میں لپٹا ہوا قرآن تعویز کا کام تو شاید دے سکے، بھارت کی بالادستی کا مقابلہ کرنے میں مدد نہیں دے سکتا۔ بھارت کی قیادت و سیادت برہمن کے ہاتھ میں ہے جو فلسفہ کی زبان سمجھتا اور حکمت کی کاٹ سے زیر ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کو اعلیٰ ترین سطح پر پیش کیا جائے، اردو کو اس کا ذریعہ بنایا جائے جو آج بھی بھارت کے کونے کونے میں سمجھی جاتی ہے اور پندرہ کروڑ بھارتی مسلمانوں کو استعمال کیا جائے تو اونچی ذات کے ہندوؤں کے ذہنوں کی تسخیر کی جا سکتی ہے جن کی اعلیٰ ترین مذہبی کتابوں میں توحید کا تصور مسخ شدہ سہی، موجود ضرور ہے۔ متعصب ہندوؤں کے راشٹریہ سیوک سنگھ کی طرح اگر قرآن مجید کے پیغام کو بھارت میں پہنچانے کے لئے بے غرض چالک (چلانے والے) اور پرچارک (تبلیغ کرنے والے) پیدا کئے جا سکیں تو آر ایس ایس کا منصوبہ، کہ "اکھنڈ بھارت" سے اسلام کو بے دخل کر دیا جائے، خاک میں ملا کر پورے برصغیر کو اسلام کا گہوارا بنایا جا سکتا ہے۔ اس کام کے لئے ڈاکٹر صاحب نے اپنی اور اپنے اداروں کی خدمات کا ذکر کیا اور کہا کہ "میں آپ سے روپیہ پیسہ نہیں مانگتا، یہ وسائل تو مہیا ہو ہی جاتے ہیں، مجھے آپ کے بچوں کی، نوجوانوں کی ضرورت ہے"..... انسانم آرزوست..... "انہیں قرآن کا پرچارک بنانا میرا مشن ہے"۔

ڈاکٹر اسرار احمد

نے اپنی دوسری دینی اور علمی خدمات کیساتھ ساتھ شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں

ایک اصلاحی تحریک

بھی برپا کی اور ــــ خطبۂ نکاح ــــ کو صرف ایک رسم

کی بجائے واقعی تذکیر و نصیحت اور معاشرتی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا

اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم تحریر اور ایک خطبۂ نکاح کو دیدہ زیب کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

بڑے سائز کے ۴۸ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور،

ہدیہ: ۴ روپے ــــــ محصول ڈاک علاوہ

رسولِ کاملؐ

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ

سیرت النبی کے موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد کی بارہ تقاریر پر مشتمل ایک

ویڈیو کیسٹ تیار کیا گیا ہے جو افادۂ عام کے پیشِ نظر

خصوصی رعایتی قیمت صرف -/۵۰ا روپے میں دستیاب ہے۔

بذریعہ منی آرڈر بینک ڈرافٹ -/۱۰ا روپے زائد درج ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں۔

Recorded By:
Shalimar
Recording
Company
Limited

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور رجسٹرڈ

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیئور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان۔
فون: ۲۲۱۵۹۸-۳۱۲۷۵۴

SV ADVERTISING

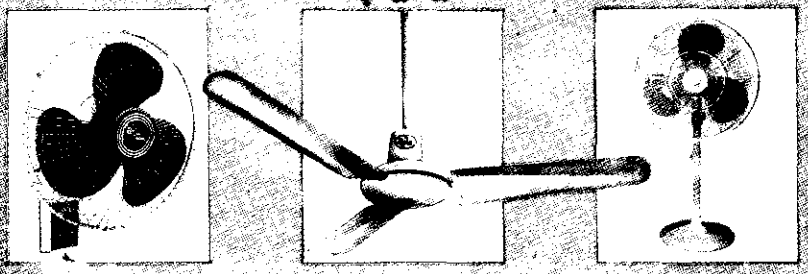

asia
ناقابلِ تردید عالمی معیار 45 سالہ تجربہ اور فنی تحقیق کا نچوڑ
ایشیا پنکھے
بین الاقوامی معیار کی باتھ رُوم فٹنگز کا واحد متبادل
MR. DIETER W. GOTTSCHALK
GROHE
GRAVITY CASTING
(DUPLEX)
جہدِ مُسلسل۔ ہماری کامیابی
انور انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ فون: 4-52430 ٹیلکس: ANWAR PK: 4584
کراچی فون: 239675 لاہور فون: 82581 راولپنڈی فون: 65075

PARAGON

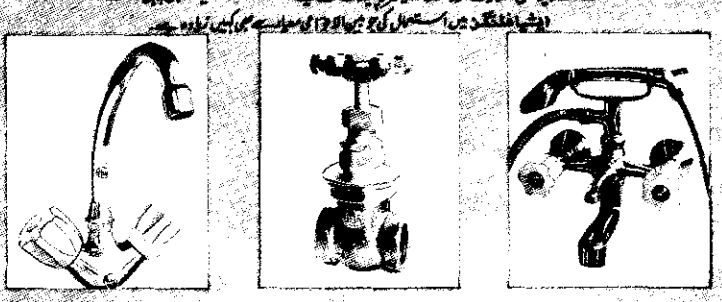

EEN
Love
KOOP JE

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 38 No. 4
APRIL 1989